مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ‹‹ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ: اِذَا لَقِيْتَهٗ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَاِذَا دَعَاكَ فَاَجِبْهُ، وَاِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْهُ، وَاِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ، وَاِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ، وَاِذَا مَاتَ فَاتْبِعْهُ ›› ۔ [رواه مسلم]

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھ کام ہیں جن میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے جب ملے تو اس کو سلام کہے، اور جب وہ بلائے تو اس کی دعوت قبول کرے، اور جب وہ خیر خواہی کا طالب ہو تو اس سے خیر خواہی کرے، جب چھینک آئے اللہ کی حمد کہے (الحمدللہ) تو اس کو دعا دے (یرحمک اللہ کہے) جب بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کرے، اور جب مر جائے تو اس کے جنازہ میں شامل ہو۔‘‘

توحید عبادت کے فوائد

غیر اللہ کی بندگی اور دینونت کی صورت میں لوگوں کی ارواح، عزت وآبرو اور احوال کوئی چیز محفوظ نہیں ہوتی جب کہ ایک اللہ کی عبادت و دینونت میں انسان ان سب چیزوں کو غیروں سے آزاد کرلیتا ہے۔ اعتقاد وتصور میں غیر اللہ کے دین وعبادت کو قبول کرنے کا معنی یہ ہے کہ انسان اوہام وخرافات اور افسانوں کے پنجوں میں جکڑا جائے، اور ان کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ بت پرستانہ جاہلیتیں اس کی مثال پیش کرتی ہیں۔

انسان اشرف المخلوقات ہو کر بندروں، خنازیر، چھچھوندروں، چھپکلیوں، کیڑوں مکوڑوں، درندوں، پرندوں، درختوں، پتھروں، دھاتوں، غرض ہر شے کو خدا بنالیتا ہے۔ اور دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے مالی قربانیاں اور نذر نیاز پیش کرتا ہے۔ قحط، زلزلے، خشک سالی، سیلاب، تیز بارش، غرض ہر نقصان دہ چیز کے لیے منوں تیل جلاتا ہے۔ سمندر، دریاؤں، پہاڑوں اور تالابوں میں کھانے پینے کی چیزیں ڈالتا ہے اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتا ہے کہ اس نے دیوی، دیوتاؤں کو راضی کرلیا ہے۔ کبھی کبھی جاہل لوگ اولاد کی قربانی بھی دیتے ہیں۔ پہلے یہ چیز صرف بت پرستوں میں تھی، اب مسلم کہلانے والوں میں بھی آ گئی ہے۔ لوگ وہمی وخرافاتی خداؤں سے ڈرتے ہیں اور ان کے خوف اور جہالت کا فائدہ ان جھوٹے خداؤں کے پروہتوں، بھائیوں اور گدی نشینوں کو پہنچتا ہے۔ ان باطل خداؤں کے جلو میں ان کے آس پاس بہت بڑی بڑی بدمعاشیاں، زناکاریاں، اغلام، جوا، شراب خوری بے کھٹکے ہوتی ہے۔ بعض جادوگر جن کا تعلق شیاطین اور جنوں سے ہوتا ہے وہ خدا، چیلے، بزرگ، غیب دان بن کر عوام کو لوٹتے ہیں۔ فیشن ہاؤسوں، مقابلہ حسن کے اداروں پر بے پناہ دولت صرف ہوتی ہے۔ ان کے ملازم مختلف حیثیتوں میں کام کرنے والے کارکن حیرت انگیز تنخواہیں پاتے ہیں، لوگ وہاں جاتے ہیں، دولت بھی خرچ کرتے ہیں۔ جسم بھی فروخت کرتے ہیں، اور حاصل سوائے ذلت ورسوائی کے کچھ نہیں ہوتا۔ ان کے مالک یہودی ہیں۔ اس شیطنت کے موجد اور مربی یہودی ہیں، اپنی صدیوں کی ذلتوں کا بدلہ ساری انسانیت سے لینا چاہتے ہیں۔

ہر مذہب، ہر اخلاق، ہر شرافت کو برباد کرنا ان کے مقاصد میں داخل ہے۔ توحید عبادت و دینونت کو اختیار کرنے والا ان تمام ذلتوں اور رسوائیوں اور قربانیوں اور نذروں نیازوں سے بچ جاتا ہے اس سے دین اگر کوئی مطالبہ کرتا ہے تو صرف یہ کہ اپنی حلال کمائی کا ایک حصہ نیک کاموں میں، بعض نادار اور محتاج انسانوں پر خرچ کردے، اور بس۔

[تفسیر فی ظلال القرآن (اردو)، ج:۴، ص:۶۴۴، ۶۴۵ طبع اسلامی اکادمی، لاہور]

فہرست

اجنبی خاتون سے گفتگو

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ﴾ [الاحزاب:٥٣]

''اور جب پیغمبر کی بیویوں سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو۔''

اجنبی خاتون سے خلوت

《 لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَةٍ اِلَّا وَ مَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ 》

[مسلم:٣٢٧٢]

''تم میں سے کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے مگر محرم کے ساتھ۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى ۔

''اے اللہ! میں تجھ سے تقویٰ، گناہ سے بچاؤ اور بے نیازی کا سوال کرتا ہوں۔''

[مسلم:٢٧٢١]

قابلِ عبرت

اداریہ حافظ احمد شاکر

قرآنِ مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلی امتوں کا ذکر فرما کر، ہدایت قبول نہ کرنے والی امتوں کی تفصیلات اوران پر نازل کردہ عذابوں کا ذکر فرما کر اکثر آیات کے آخر میں فرمایا کہ ’’اس میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے۔‘‘

بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات یعنی نشانیاں بیان کر کے بعض مقامات پر وجود باری تعالیٰ کے دلائل وبراہین ذکر کر کے بھی انسانوں کو عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی ہے۔

بعض مقامات پر زمین وآسمان کی خلقت کی طرف توجہ دلا کر فرمایا کہ انہیں کس نے پیدا کیا، بے قرار کی دعا قبول کرنے والا کون ہے اوراس طرح بعض دیگر دلائل بیان فرما کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا تذکرہ کیا ہے۔ یعنی اس طرح کی ان گنت دلیلوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے غور وفکر، ذکر ونصیحت اورعبرت حاصل کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے لیکن ان دلائل پر یقین، ان نشانیوں پر ایمان اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین اسی کے نصیب میں ہوتا ہے جو اس کی خواہش کرے اس کے لیے کوشش کرے اور جوان سے عبرت پکڑ کر نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ کرے۔ وہ تو ایمان، آخرت اور قیامت کی باتیں ہیں اس دنیا میں جاگتی عقلوں اور دیکھتی آنکھوں سے ہر قسم کا مشاہدہ بلکہ عین الیقین اور حق الیقین کے بعد بھی جو عبرت نہ پکڑنا چاہیں نصیحت حاصل نہ کرنا چاہیں تو وہ نہ کوئی عبرت پکڑتے ہیں اور نہ کوئی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

وطن عزیز کی بعض مثالیں ان صفحات میں ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں لیکن وہ سب مثالیں......ایوب خاں، بھٹو، ضیاء الحق......ایسی ہیں کہ ان سب مرحومین نے اپنے اپنے دورِ حکومت میں امریکی حکومت کی خدمت گزاری میں کچھ کسر نہیں چھوڑی۔ لیکن بالآخر وطن عزیز سے ان کی وفا نے انگڑائی لی یا ان کی رگ حمیت پھڑکی تو کسی نے اقتدار کی قربانی دی اور کسی نے جان کی لیکن انہوں نے وطن سے غداری کر کے اپنی ذات کو داغدار نہیں کیا۔ حتیٰ کہ بے نظیر کی موت کی جو وجوہات زبان زد عام ہیں ان میں ایک گمان یہ بھی کیا جاتا ہے کہ وہ امریکہ سے سارے وعدے وعید تو کر کے ہی پاکستان آئی تھیں لیکن امریکی مطلوبات کو جب انہوں نے وطن عزیز کے مفادات کے خلاف جانا تو وہ وطن سے وفا کی خاطر ان وعدوں کی ایفا میں متامل ہوگئیں اور یہی تأمل ان کی موت کا باعث بن گیا۔ ان کی موت کے بعد ہاتھ بڑھا کر جنہوں نے پیمانہ اقتدار تھاما ہے اب وہ تاریخ کی زد میں اور تاریخ ان پر نظریں جمائے بیٹھی ہے کہ وہ اب اپنے وطن سے وفا کرتے ہیں یا غیروں سے کیے گئے وعدے نبھاتے ہیں۔

مذکورہ بالا سطور نوکِ قلم پر اس لیے رواں ہوگئیں کہ اگلے دن امریکی نمائندے رچرڈ ہالبروک جو صدر امریکہ کے افغانستان وپاکستان پر خصوصاً مشیر ہیں انہوں نے صحافیوں کے سوال کہ اب سپریم کورٹ نے پرویز مشرف کو طلب کر لیا ہے وہ آپ کا نہایت با اعتماد دوست تھا کیا سپریم کورٹ کے طلب کرنے پر اس سے تعاون یعنی امریکا اس کو بچانے کی کوئی کوشش کرے گا؟ تو صدر اوبامہ کے اس مشیر خاص نے جواب دیا کہ مشرف اب ماضی کا حصہ بن چکا ہے اب ہم اس کو بچانے کے لیے نہیں آئیں گے ان کا یہ بیان یا جواب پڑھ کر یہ مشہور شعر یاد آ گیا ؎ لو وہ بھی اب مجھے کہہ رہے ہیں بے ننگ ونام یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

اب قارئین ساتھ ہی دنیا میں امریکہ کے ان وفاداروں یا بے دام غلاموں کے عبرت ناک احوال بھی پڑھ لیں جو معاصر عزیز روزنامہ ایکسپریس مجریہ ۲۴ جولائی سے اختصاراً نقل کیے جا رہے ہیں۔ جن سے امریکا اس مغربی مروّت کا معاملہ کر چکا ہے جو اس معاشرت کا حصہ ہے۔

’’یہ ملاقات ختم ہوگئی لیکن اپنے پیچھے ایک طویل سوالیہ نشان چھوڑ گئی۔ کیا اب صدر پرویز مشرف کے مکافاتِ عمل کا وقت آ گیا ہے اور کیا صدر پرویز مشرف بھی اب شاہِ ایران بن جائیں گے، وہ شاہِ ایران جو دنیا کی تاریخ میں امریکا کا سب سے بڑا حواری تھا، محمد رضا شاہ پہلوی جسے یورپی پریس ’’امریکن گورنر‘‘ لکھتا تھا۔

لیکن جب شاہِ ایران کا طیارہ ایران کی حدود سے باہر نکلا تو امریکا نے آنکھیں پھیرلیں، وہ امریکا سے مسلسل مدد مانگتا رہا لیکن وائٹ ہاؤس اس کا ٹیلی فون تک نہیں سنتا تھا۔ شاہِ ایران سوا سال تک دنیا میں مارا مارا پھرتا رہا، شاہِ ایران اس دربدری کے عالم میں جولائی ۱۹۸۰ء میں مصر میں انتقال کر گیا اور اسے اس کے بیڈروم میں امانتاً دفن کر دیا گیا۔ کیا اب سابق صدر پرویز مشرف بھی اناس تاسیوسو بن جائیں گے، وہ اناس تاسیوسو جو نکاراگوا میں امریکی ایجنٹ تھا، امریکا نے اناس تاسیوسو کو ڈالر اور اسلحہ دے کر کمیونزم کے خلاف کھڑا کیا۔ تاسیوسو امریکا کی جنگ کو اپنی جنگ سمجھ کر لڑتا رہا، لڑتا رہا لیکن جب تھک گیا تو ملک سے فرار ہو گیا مگر جوں ہی اس نے بھی نکاراگوا سے باہر قدم رکھا امریکا نے اسے بھی پہچاننے سے انکار کر دیا، اس نے امریکا آنے کی کوشش کی لیکن امریکی حکومت نے اجازت نہ دی، یوں اناس تاسیوسو جنگلوں اور غاروں میں چھپ چھپ کر ۱۹۸۰ء میں انتقال کر گیا۔ کیا (سابق) صدر پرویز مشرف بھی اب پنوشے بن جائیں گے، چلی کے آمر جنرل اگستو پنوشے جس نے ۱۹۷۳ء میں سی آئی اے کی مدد سے منتخب حکومت پر شب خون مارا، اقتدار پر قبضہ کیا اور چلی کی عوام کے خلاف آپریشن شروع کر دیا۔ پنوشے نے امریکی خواہشات کی تکمیل کے لیے ۱۷ برسوں میں چلی کے ہزاروں شہری قتل کرائے، امریکا کی ناپسندیدہ تنظیموں پر پابندیاں لگائیں اور امریکا کی خواہش پر اپنے شہریوں کے انسانی حقوق غصب کیے رکھے لیکن جب چلی میں ۱۸ فروری آیا تو وہ لندن فرار ہو گیا، اس کا خیال تھا برطانیا اور امریکا اس کی وفاداریوں کی قدر کریں گے لیکن لندن آتے ہی برطانوی پولیس نے اسے گرفتار کر لیا، وہ دس سال تک نظر بند رہا، برطانوی حکومت نے ۲۰۰۰ء میں اسے چلی کے حوالے کر دیا، اس کے خلاف چلی میں مقدمہ چلا، ۳ دسمبر ۲۰۰۶ء کو اسے ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ دم توڑ گیا۔ کیا (سابق) صدر پرویز مشرف اب جوناس سیومنی بن جائیں گے، انگولا کا باغی سردار جوناس سیومنی بھی امریکا نواز لیڈر تھا، وہ برسوں انگولا میں امریکی مفادات کی جنگ لڑتا رہا یہاں تک کہ نومبر ۱۹۹۲ء میں امریکا نے اسے کمیونسٹوں کے ساتھ امن معاہدے کا حکم دیا، اس نے معاہدے پر دستخط کر دیئے اور اس کے بعد جوناس سیومنی بے دست وپا ہو گیا۔ آج اس واقعہ کو ۱۸ سال گزر چکے ہیں، جوناس سیومنی جان بچانے کے لیے چھپتا پھر رہا ہے لیکن امریکی حکومت اس کا ٹیلی فون تک نہیں سنتی۔ کیا (سابق) صدر پرویز مشرف اب جنرل نوریگا بن جائیں گے وہ جنرل نوریگا جو پانامہ میں امریکا کا آلہ کار تھا، اسے بھی امریکیوں نے کمیونسٹوں کے خلاف استعمال کیا۔ وہ ۱۹۹۰ء تک امریکی مفادات کی جنگ لڑتا رہا اور وہ اب گزشتہ چودہ برس سے امریکی دوستی کا خمیازہ بھگت رہا ہے۔ کیا صدر پرویز مشرف بھی اب مارکوس بن جائیں گے، جو ۲۲ برس تک فلپائن میں امریکی مفادات کی جنگ لڑتا رہا۔ اس نے فلپائن سے کمیونسٹوں کو چن چن کر ختم کر دیا لیکن ۱۹۸۶ء میں امریکا ہی نے اس کی حکومت ختم کرا دی جس کے بعد مارکوس نے باقی زندگی ہونولولو کے ایک چھوٹے سے مکان میں گزاری اور اسے ایک عام پناہ گزین کے برابر وظیفہ ملتا تھا۔ کیا صدر پرویز مشرف اب بشپ ایبل منرور یوا بن جائیں گے، وہ بشپ ایبل منرور یوا جسے ۱۹۷۹ء میں امریکا نے رہوڈیشیا میں موغابے اور نکومو کے مقابلے میں کھڑا کیا تھا، بشپ امریکیوں کے لیے لڑتا رہا لیکن جب وہ لڑتے لڑتے کمزور ہو گیا تو امریکا نے اس کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا اور کیا اب (سابق) صدر پرویز مشرف بھی صدام حسین بن جائیں گے، وہ صدر صدام حسین جس نے امریکا کے ایما پر ۲۲ ستمبر ۱۹۸۰ء کو ایران پر حملہ کیا، یہ جنگ ۸ سال تک جاری رہی اور اس میں دس لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ صدام حسین ۱۹۹۰ء تک امریکا کا دوست رہا لیکن پھر امریکا نے تیل کے لالچ میں عراق پر حملہ کر دیا، اس جنگ میں ۸۶ ہزار عراقی شہری شہید ہوئے۔ ۲۰۰۳ء میں امریکا نے ایک بار پھر عراق پر حملہ کیا، صدام حسین گرفتار ہوا اور امریکی ہدایات پر اسے ۳۰ دسمبر ۲۰۰۶ء کو بغداد میں پھانسی دے دی گئی۔''

مندرجہ بالا اقتباس قابل عبرت ہے ان افراد کے لیے جو حکمران ہوں یا اپوزیشن لیڈر کہ امریکا اپنے ان حامیوں کے ساتھ بالآخر کیا سلوک کرتا ہے جو اپنے وطن میں امریکا کی راگنی گاتے اور اس کی مالا جپتے ہیں۔ امریکا کہیں کمیونزم کے عنوان پر سادہ دلوں کو مزدور کے حقوق کے لیے ابھارتا ہے، کہیں بھولے پنچھیوں کو...... اپنے لیے مفید...... جمہوریت کے نام پر عوامی حقوق کے لیے اکساتا ہے اور کبھی الجزائر اور فلسطین کی طرح ہے۔ اپنی ہی جمہوریت...... جو اس کے لیے غیر مفید ہو...... کی بیخ کنی کے لیے فساد کرواتا ہے۔

ہم حاضر سروس ان حکمرانوں اور لائن میں لگے لیڈروں کی خیر خواہی کے لیے ان سے درخواست گزار ہیں کہ یہ اپنے وطن کے نغمے اپنی ہی دھن میں گائیں۔ مغربی عشوہ طراز کی رنگیں اداؤں پر لٹو نہ ہو جائیں اور اپنے اس دین کو ملحوظ خاطر رکھیں جس نے ان کو ایمان جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے وہ اپنے اس وطن کی حفاظت کریں جس نے ان کو جنم دیا، برداشت کیا، نعمتیں عطا کیں، عزت دی اور ہر موسم کے لیے ہر انسانی ضرورت کی ہر چیز سے ان کو مالا مال کیا۔

تحقیق وتنقید

نظریہ نور من نور اللہ حقیقت کے آئینے میں ③

مولانا خاور رشید بٹ

﴿ قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ ﴾ [المائدة ٥: ١٥]

''بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔''

استدلال: اس میں دو چیزوں کا تذکرہ ہے اور واؤ مغائرت کے لیے آتی ہے معلوم ہوا کہ دونوں الگ الگ ہیں۔ لہٰذا مفسرین نے قول کے مطابق نور سے مراد آنحضرت ﷺ اور کتاب مبین سے قرآنِ مجید مراد ہے۔

جواب: یہ حضرات اتنا تو لکھ دیتے ہیں کہ نور سے مفسرین نے آنحضرت ﷺ مراد لیے ہیں۔ لیکن دیگر مفسرین کے اقوال بیان کرنے سے گریز اں کیوں ہوتے ہیں۔

اگر بعض مفسرین نے یہاں نور سے مراد رسولِ کریم ﷺ لیے ہیں تو بعض نے اسلام اور قرآن مجید بھی مراد لیا ہے۔ مثلاً: دیکھیں، تفسیر کبیر، ج:۳، ص:۲۸۴، ط: بیروت

علامہ بیضاوی نے بھی نور سے قرآنِ مجید مراد لیا ہے۔ چناں چہ علامہ شہاب الدین احمد حنفی لکھتے ہیں کہ اس تفسیر کے مطابق نور اور کتاب دونوں سے مراد واحد ہے۔ [عنایۃ القاضی، ج:۳، ص:۲۲۶، ط: بیروت]

بلکہ علامہ ابوالسعود حنفی نے اپنی تفسیر میں نور سے آنحضرت ﷺ مراد لینے والے معنی کو لفظ (قیل) کے ساتھ بیان کیا ہے جو اس قول کے ضعف اور غیر راجح ہونے کی دلیل ہے۔ لکھتے ہیں:

﴿ قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ ﴾ [المائدة ٥: ١٥]

وتنوين نور للتفخيم والمراد به وبقوله تعالىٰ وكتاب مبين القرآن والعطف لتنزيل المغايرة بالذات وقيل المراد بالاول هو الرسول عليه الصلوٰة والسلام وبالثانى القرآن۔

''تحقیق آ چکی ہے تم کو اللہ کی طرف سے روشنی اور کتابِ مبین اور لفظ نور کی تنوین تفخیم کے لیے ہے۔ اس سے مراد اور کتاب مبین سے مراد قرآنِ مجید ہے اور عطف اس لیے ہے کہ مغائرت وصفی وعنوانی کو بمنزلہ مغائرتِ ذاتی کے سمجھا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اوّل (لفظ نور) سے مراد رسولِ اکرم اور ثانی (کتابِ مبین) سے مراد قرآنِ مجید ہے۔''

معلوم ہوا ان کے نزدیک بھی پہلا قول یعنی نور سے بھی قرآنِ مجید مراد لینا راجح ہے۔

باقی رہ جاتا ہے یہ اعتراض کہ واؤ مغائرت کے لیے آتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآنِ مجید سے ہی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی چیز کی دو صفتیں ہوں تو انہیں عطف کے ساتھ بیان کیا جا سکتا ہے، مثلاً فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴾

[الحجر ١٥: ٨٧]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے آپ کو بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں اور بہت عظمت والا قرآن عطا کیا ہے۔''

دیکھیں یہاں پر بھی سبعا من المثانی اور قرآنِ عظیم کے درمیان واؤ آیا ہے جو مغائرت کے لیے آتا ہے۔ لیکن مراد دونوں سے ایک ہی ہے یعنی سورۃ فاتحہ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔

[صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ما جاء فی فاتحۃ الکتاب، رقم:۴۴۷۴]

معلوم ہوا لفظی ووصفی مغائرت کے لیے بھی واؤ آتا ہے۔ بالکل اسی طرح سورۃ المائدہ کی مذکورہ بالا آیت میں بھی گو کہ لفظی مغائرت ہے

لیکن مراد ایک ہی چیز ہے یعنی قرآنِ مجید۔

دوسرا قرینہ: نور اور کتاب مبین سے مراد ایک چیز ہے اس کا ایک قرینہ اس سے اگلی آیت بھی ہے جس میں فرمایا:

﴿ يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ ﴾ [المائدة ٥: ١٦]

''اللہ اس کے ساتھ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے پیچھے چلیں سلامتی کے راستوں کی ہدایت دیتا ہے۔''

جس چیز کے ذریعے اللہ ہدایت دیتا ہے اس کے لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے (بِـهٖ) میں واحد مذکر کی ضمیر استعمال کی ہے جس کا مرجع کتاب مبین اور نور دونوں ہیں۔

اگر دونوں کو ذاتی طور پر علیحدہ علیحدہ تسلیم کیا جائے جیسا کہ طائفہ بریلویہ کا نظریہ ہے تو یہاں بِهِـمَا یعنی هـمَا تثنیہ مذکر کی ضمیر استعمال کی جاتی ہے جس کا ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ ان دونوں چیزوں کے ذریعے ہدایت دیتا ہے۔ الخ

اور اس طرح ہے نہیں۔ معلوم ہوا یہاں نور اور کتاب مبین میں تغائرت ذاتی نہیں بلکہ لفظی ہے اور مراد ایک ہی چیز ہے جس کے لیے واحد مذکر کی ضمیر استعمال کی گئی ہے۔

تیسرا قرینہ: یہاں ایک ہی چیز مراد ہے اس کے لیے ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ دیگر آیات میں قرآنِ مجید کو واضح اور دوٹوک الفاظ میں نور کہا گیا ہے، مثلاً:

﴿ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ﴾ [التغابن ٦٤: ٨]

''سو تم اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا۔''

﴿ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ﴾ [الاعراف ٧: ١٥٧]

''اور اس نور کی پیروی کی انہوں نے (ایمان والوں نے) جو اس (نبی) کے ساتھ اتارا گیا۔''

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴾ [النساء ٤: ١٧٤]

''اور ہم نے تمہاری طرف ایک روشن نور نازل کیا ہے۔''

سورۃ مائدہ کی زیر بحث آیت میں اگر نور سے مراد رسولِ اکرم ﷺ کی ذات لے بھی لیں تو آگے پھر مفسرین کا اختلاف ہے کہ مراد حسی نور ہے یا کہ نور ہدایت اگر نور ہدایت مراد لیا جائے تو ان کا مقصود حاصل نہیں ہوتا اور اگر نور حسی مراد لیا جائے تو رسولِ اکرم ﷺ بشریت سے خارج ہو جاتے ہیں اور یہ قرآنی تصریحات کے خلاف ہے۔

چناں چہ اس طائفہ کے شیخ الحدیث مولانا غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

امام ابن جریر، علامہ سمرقندی حنفی، قاضی بیضاوی، شافعی، علامہ احمد خفاجی حنفی، ملا علی قاری حنفی اور علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نور ہدایت ہیں اور علامہ آلوسی اور بعض دیگر علماء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نور حسی ہیں۔ [تبیان القرآن، ج:۳،ص:۱۳۴]

ناموں کی فہرست دوبارہ ملاحظہ فرمائیں یہاں نورِ ہدایت مراد لینے والوں کی اکثریت حنفی ہی نظر آئے گی۔ پھر بھی یہ لوگ اپنے غلط نظریے پر جمے رہیں تو کیا کہا جا سکتا ہے؟

بہر حال ان ناموں میں آخری نام مولانا نعیم الدین مراد آبادی کا بڑا اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ یہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے بڑے معتقد، ان کے ہم عصر اور غالباً ان کے شاگرد بھی ہیں ان پر احمد رضا صاحب کو بڑا اعتماد ہوا کرتا تھا۔ مرزائیوں، عیسائیوں وغیرہ کے ساتھ مناظروں کے وقت مولانا انہیں ہی منتخب کیا کرتے تھے اور انہوں نے مولانا کے ترجمہ قرآن بنام کنز الایمان کا حاشیہ بھی لکھا ہے۔

انہوں نے مولانا احمد رضا خاں صاحب کے اسی ترجمہ کے تحت لکھا ہے: سید عالم ﷺ کو نور فرمایا گیا کیوں کہ آپ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی۔

[حاشیہ کنز الایمان،ص:۱۹۸،ط:ضیاء القرآن لاہور]

بلکہ مولانا غلام رسول سعیدی صاحب نے دونوں اطراف کے دلائل نقل کرنے کے بعد جو فیصلہ دیا وہ بھی یہی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ

نورِ حسی نہیں بلکہ نورِ ہدایت ہیں۔ [دیکھیں تبیان القرآن، ج:۳،ص:۱۳۹]

بالفرض اگر آیت زیر بحث میں نور سے مراد رسولِ اکرم ﷺ کو نورِ حسی مان لیا جائے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ نورِ حسی مخلوق ہے یا اللہ تعالیٰ کی ذات سے الگ کیا ہوا نور۔

اگر مخلوق نور مان جائے تو ان کا موقف ثابت نہیں ہوتا۔ کیوں کہ ان کا عقیدہ نور من نور اللہ کا ہے جیسے کہ وضاحت اور حوالہ جات گزر چکے۔ نیز مخلوق نور کو صحیح حدیث کے مطابق فرشتے کہا جاتا ہے۔ [صحیح مسلم] اور قرآن سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فرشتہ ہونے کی نفی کی ہے۔ فرمایا:

﴿ قُلْ لَّا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ﴾ [الانعام ٦:٥٠]

”فرما دیں میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔“

ثابت ہوا کہ رسولِ اکرم ﷺ مخلوق نور بھی نہیں اور اگر یہاں سے مراد نورِ حسی اللہ تعالیٰ کی ذات کا حصہ وجز تسلیم کیا جائے تو یہ صریحاً شرک وکفر ہے (جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔)

اتنے احتمالات ہونے کی وجہ سے یہ دلیل یہ حضرات پیش ہی نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ اس طائفہ کے امام مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں کہ عقل ونقل کا مسلمہ قاعدہ ہے:

اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

کہ جب احتمال آجائے تو (اس دلیل سے) استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ [الامن والعلی،ص:۳۱۰،ط:جمال کرم لاہور]

نبی کریم ﷺ کا سایہ

یہ بات بھی کی جاتی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے نور ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ کا سایہ نہیں تھا اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

اس مسئلہ پر ایک روایت پیش کی جاتی ہے جو حسب ذیل ہے:

حکیم ترمذی نے عبدالرحمٰن بن قیس الزعفرانی کے طریق سے عبدالملک بن عبداللہ بن الولید سے اور انہوں نے ذکوان سے یہ روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا سایہ نہ تو سورج میں نظر آتا تھا اور نہ چاند میں۔ [خصائص الکبریٰ، ج:۱،ص:۱۷]

ثابت ہوا آپ بشر نہیں تھے:

جواب: اوّلاً بات یہ ہے کہ یہ روایت ہی قابل احتجاج نہیں کیوں کہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن قیس الزعفرانی راوی ہے جس کے متعلق امام احمد فرماتے ہیں اس کی روایت ضعیف ہے اور یہ محض ہیچ اور متروک الحدیث ہے۔ امام نسائی نے فرمایا یہ متروک الحدیث ہے۔ امام زکریا ساجی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

صالح بن محمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا ابن عدی فرماتے ہیں کہ اس کی اکثر احادیث میں ثقات نے ان کی متابعت نہیں کی۔ امام حاکم رحمہ اللہ ابو احمد نے اسے ذاہب الحدیث قرار دیا ہے۔ اسی طرح امام ابونعیم اصبہانی نے فرمایا یہ لاشیء ہے یعنی کچھ بھی نہیں۔ امام مسلم بن الحجاج نے بھی اسے ذاہب الحدیث قرار دیا ہے۔ [تہذیب التہذیب، ج:٦،ص:۲۵۸،نمبر:۵۱۰،تاریخ بغداد، ج:۱۰،ص:۲۵۱،۲۵۲]

ثانیاً ملا علی قاری فرماتے ہیں:

حکیم ترمذی نے یہ روایت اپنی کتاب نوادر الاصول میں عبدالرحمٰن بن قیس کے طریق سے ذکر کی ہے اور عبدالرحمٰن مطعون ہے۔ اس نے عبدالملک بن عبداللہ بن الولید سے روایت کی ہے اور وہ مجہول اور اس نے ذکوان سے روایت کی ہے۔ الخ [شرح الشفاء، ج:۳،ص:۲۸۲،ط:مصر، بحوالہ تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین،ص:۹۴]

معلوم ہوا اس روایت کی سند میں ایک راوی کذاب اور دوسرا مجہول ہے۔

ثالثاً: ذکوان تابعی ہے اور اس نے نبی علیہ السلام کو دیکھا ہی نہیں تو کیسے ان کی بات تسلیم کی جا سکتی ہے۔

ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ روایت بے سروپا اور ناقابل اعتبار ہے۔ لہٰذا اس طرح کی روایت کو بنیاد بنا کر عقیدہ ثابت کرنا کہاں کا اصول اور انصاف ہے۔ حالاں کہ ان حضرات کے نزدیک تو عقیدے

میں صحیح حدیث جو خبر واحد ہو وہ بھی قبول نہیں چہ جائیکہ وہ ضعیف، موضوع اور من گھڑت ہو۔

اس سوال کو قرآن اور احادیث پر پیش کرتے ہیں وہ اس کا جواب کیا دیتے ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴾ [الرعد ۱۳:۱۵]

''اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے اللہ ہی کو سجدہ کر رہا ہے خوشی اور ناخوشی سے اور ان کے سائے بھی پہلے اور پچھلے پہر۔''

معلوم ہوا آسمان اور زمین میں جو بھی چیز ہے ان کا سایہ ہوتا ہے اور رسولِ اکرم ﷺ ان میں شامل ہیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴾

''اور کیا انہوں نے ان چیزوں کو نہیں دیکھا جو اللہ نے پیدا کی ہیں خواہ کوئی بھی چیز ہو کہ اس کے سائے دائیں طرف سے اور بائیں طرفوں سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتے ہیں اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں۔'' [النحل ۱٦:٤٨]

غور فرمائیں کتنے واضح الفاظ ہیں جن سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ کی ہر مخلوق کا سایہ ہوتا ہے۔

یہ تو تھے عمومی دلائل خصوصی طور پر رسولِ اکرم ﷺ کے متعلق بھی دلیلیں موجود ہیں کہ ان کا سایہ تھا ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ایک رات نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک اپنا ہاتھ آگے کیا پھر پیچھے کر لیا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے آپ کو نماز میں ایسا کام کرتے ہوئے دیکھا ہے جو اس سے قبل نہیں کیا تھا۔ چناں چہ آپ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ مجھ پر جنت پیش کی گئی تو میں نے اس میں اونچے درخت دیکھے جن کے گچھے لٹکے ہوئے تھے۔ تو میں نے ان سے کچھ لینے کا ارادہ کیا۔ پس میری طرف وحی آئی کہ پیچھے ہٹ جا، سو میں پیچھے ہٹ گیا اور مجھ پر دوزخ بھی پیش کی گئی جو میرے اور تمہارے درمیان تھی'' حتی رایت ظلی وظلکم فیما'' یہاں تک کہ اس کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ پس میں نے تمہیں اشارہ کیا کہ پیچھے ہٹ جاؤ۔ الخ

[مستدرک حاکم، ج:۴، ص:۴۵٦، رقم:۸۴۰۸]

اس صحیح حدیث سے کس قدر واضح طور پر نبی کریم ﷺ کا سایہ ثابت ہو رہا ہے کیوں کہ آگ کی روشنی میں آپ ﷺ نے اپنا بھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی سایہ دیکھا اگر حضور ﷺ کا سایہ نہیں تھا تو اپنا سایہ دیکھنے کا کوئی معنیٰ نہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اونٹ تھے۔ چناں چہ نبی ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا کو فرمایا صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا ہے اگر تو اسے اپنا فالتو اونٹ دے دے تو بہتر ہو گا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کیا میں اس یہودیہ کو اونٹ دوں؟ (یہ نازیبا کلمات سن کر) رسولِ کریم ﷺ نے ذوالحجہ، محرم دو یا تین ماہ تک سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس جانا ہی ترک دیا۔ چناں چہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آپ ﷺ سے ناامید ہو گئی تھی اور میں نے اپنی چارپائی وہاں سے ہٹالی تھی فرماتی ہیں:

فَبَيْنَمَا يوما بنصف النهار اذا انا بظل رسول الله مقبلاً۔

اسی حالت میں تھی کہ ایک دن دوپہر کے وقت میں نے آنحضرت ﷺ کا سایہ دیکھا جو میری طرف آ رہا تھا۔ الخ [مسند احمد، ج:٦، ص:۱۳۱، ۱۳۲، طبقات الکبریٰ، ج:۸، ص:۱۲۷ و مجمع الزوائد، ج:۴، ص:۳۲۳]

اس حدیث میں بھی رسولِ اکرم ﷺ کے سائے کا واضح الفاظ میں ذکر ہے۔

ان قرآنی دلائل اور صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے بھی کوئی شخص آنحضرت ﷺ کا سایہ تسلیم نہ کرے تو اس کے ایمان کے کیا ہی کہنے۔

باقی رہ جاتا ہے یہ سوال کہ نور کا سایہ نہیں ہوتا یہ بھی حقیقت کے برخلاف ہے۔ صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جب جنگ احد میں شہید ہوئے تو ان کا مثلہ کر دیا گیا تھا۔ چناں چہ انہیں رسولِ

اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔تو حضرت جابر بن عبداللہ کی پھوپھی رونا شروع ہوگئی تو رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما زالت الملائكة تظلله باجنحتها حتى رفعتموه۔

[صحيح بخاری، كتاب الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت، رقم: ١٢٤٤]

''کہ جب تک تم انہیں یہاں سے اٹھا نہیں لیتے اس وقت تک فرشتے اس پر اپنے پروں کا سایہ کیے رکھیں گے۔معلوم ہوا کہ فرشتوں کا سایہ ہوتا ہے اور فرشتے نوری مخلوق ہیں۔''

ایک بات یہ بھی کی جاتی ہے کہ اگر آپ ﷺ کا سایہ ہوتا تو اس پر کسی کا قدم آ سکتا تھا جس سے آپ کی توہین ہوتی۔لہٰذا آپ کا سایہ اس لیے بھی نہ تھا۔

جواب: یہ بات بھی خلاف واقع ہے۔کیوں کہ سایہ پاؤں کے نیچے آ ہی نہیں سکتا جب اس پر پاؤں آئے گا تو لامحالہ سایہ پاؤں کے اوپر ہو جائے گا، تجربہ کر کے دیکھ لیں۔

ہمارے شیخ اور استاد مفتی مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ عقلی طور پر اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عقلی طور پر بھی معلوم ہوتا ہے کہ سایہ مرئیہ فقط اس جسم کا ہوتا ہے جو ٹھوس ہو۔نیز سورج کی شعاعوں کو آگے گزرنے نہ دے۔لیکن اگر وہ جسم اتنا صاف اور شفاف ہو کہ وہ سورج کی شعاعوں کو روک ہی نہیں سکتا تو اس کا سایہ بلاشبہ نظر نہیں آتا مثلاً صاف اور شفاف شیشہ اگر دھوپ میں لایا جائے تو اس کا سایہ دکھائی نہیں دیتا۔کیوں کہ اس میں شعاعوں کو روکنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی بخلاف اس کے نبی کریم ﷺ کا جسد اطہر نہایت ٹھوس اور گٹھا ہوا تھا۔اس کی ساخت شیشے کی طرح نہیں تھی کہ جس سے سب کچھ گزر جائے۔لامحالہ آپ کا سایہ تھا اگر جسم اطہر کا سایہ مبارک نہ تھا تو کیا جب آپ لباس پہنتے تو آپ کے ملبوسات کا بھی سایہ نہ تھا اگر وہ کپڑے اتنے لطیف تھے کہ ان کا سایہ نہ تھا تو پھر ان کے پہننے سے ستر وغیرہ کی حفاظت کیسے ممکن ہوگی؟

[آپ کے مسائل اور ان کا حل قرآن وسنت کی روشنی، ص:۴۲، حصہ اوّل]

سراجِ منیر:

ایک دلیل سورۃ الاحزاب کی آیت پیش کی جاتی ہے۔جس میں رسولِ کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سراجاً منیراً (روشنی کرنے والا چراغ) قرار دیا ہے۔[الاحزاب۳۳:۴۶]

اس کے تحت مستدرک حاکم کی روایت پیش کر کے آپ ﷺ کو نور ثابت کیا جاتا ہے۔

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ حدیث کے راوی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ ہوں اور تمام نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں۔دراں حالیکہ میرے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی گوندھی جا رہی تھی اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں اس کے متعلق کہ میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اپنی والدہ کا خواب ہوں جو انہوں نے دیکھا اسی طرح تمام انبیاء کی والدات نے خواب دیکھے اور یقیناً میری والدہ نے دیکھا جس وقت میری پیدائش ہوئی کہ ان سے نور نکلا جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا پھر یہ تلاوت فرمایا:

﴿يايها النبی انا ارسلنك شاهدا ومبشرا ونذيراً وداعيا الى الله وسراجا منيراً﴾

[مستدرك حاكم، ج:٢، ص:٤١٨]

یعنی نبی ﷺ کی والدہ سے نور نکلا یہ سراجاً منیراً کی تفسیر ہے۔ثابت ہوا آنحضرت ﷺ نور تھے۔

جواب: یہ تفسیر تسلیم کر لی جاتی اگر یہ حدیث صحیح ہوتی، اس روایت کی سند میں عبداللہ بن صالح المصری راوی ہے جسے اس طائفہ والے خود قابل حجت تسلیم نہیں کرتے۔چناں چہ مولانا عمر اچھروی اپنی کتاب مقیاس نور میں بشر والی ایک حدیث کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں عبداللہ بن صالح ہے جس کے متعلق لکھا ہے:

عبدالله بن صالح كثير الغلط۔

[تقريب التهذيب، ص:٢٠٢]

یعنی عبداللہ بن صالح بہت غلط حدیثیں بیان کرتا ہے۔تمہاری

اس حدیث کا راوی بھی وہی ہے۔اور سنیے:

عبداللہ بن صالح لیس هو بشیء انه کان یکذب فی الحدیث۔

[تهذیب التهذیب، ج: ۵، ص: ۲۵۶، ۲۵۷]

''عبداللہ بن صالح کچھ نہیں وہ حدیث میں جھوٹ بولتا ہے۔''

یا تم مرمرا کر ایک حدیث لائے وہ بھی جھوٹی۔[مقیاسِ نور،ص:۲۱۹]

اسی طرح اپنی دوسری کتاب میں اسی راوی پر برستے ہوئے یہی اقوال نقل کیے اور مزید اور بھی جرح نقل کی، لکھتے ہیں:

احمد بن صالح نے بھی کہا کہ عبداللہ بن صالح کچھ نہیں اور امام نسائی نے فرمایا کہ عبداللہ بن صالح مضبوط راوی نہیں، ابن مریم سے روایت ہے کہ یہ جھوٹا ہے۔

[مقیاس حنفیت ص:۲۴۷،ط:المقیاس پبلشرز لاہور]

نیز اس کی سند میں سعید بن سوید بھی جس کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

لا یتابع فی حدیثه۔

اس کی حدیث میں متابعت نہیں کی جاتی۔

[میزان الاعتدال، ج:۲،ص:۱۴۵]

ثابت ہوا یہ حدیث قابل حجت نہیں اس لیے اس سے استدلال پکڑنا درست نہیں۔

نیز اس آیت سے عقلی طور پر نبی کریم ﷺ حسی نور ثابت نہیں ہوتے۔کیوں کہ قرآن کے دوسرے مقام پر سورج کو بھی سراج (روشنی کرنے والا) کہا گیا ہے اگر رسولِ اکرم ﷺ کی روشنی سورج کی طرح حسی ہوتی تو کبھی مدینہ میں رات کے وقت اندھیرا نہ ہوتا اور مکی زندگی میں مکہ میں اندھیرا نہ ہوتا۔

ثابت ہوا سورج کی روشنی ظاہری جسموں کے لیے ہے اور رسولِ اکرم ﷺ کی روشنی روحانیت کو روشن کرنے کے لیے ہے اور ظاہر ہے کہ روحانیت کو روشنی دینے والی چیز افضل ہوتی ہے۔



بحث ونظر

ابو شحمة کے بارے میں تحقیق وتدقیق

مولانا فضل الرحمٰن بن محمد

نوائے وقت میں درج ایک واقعہ کا ردّ کرتے ہوئے میں نے ایک مضمون لکھا تھا۔ جو''الاعتصام'' کے شمارہ:۱۲، جلد:۲۲، ربیع الاوّل ۱۴۳۰ھ میں شائع ہوا۔ اس میں ائمہ رجال کے قائم کردہ اصول کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عظیم گھرانے کو عدلِ فاروقی کی آڑ میں بدنام کرنے کی گھناؤنی سازش کی نہ صرف نشان دہی کی تھی بلکہ اصل حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کی تھی۔

غیر مستند کتابوں میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابو شحمہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے شراب پی کر ایک عورت سے زنا کیا۔ جس کا اعتراف کرنے پر ان کے عظیم باپ نے بیٹے کو زنا کرنے کی سزا دیتے ہوئے سو کوڑے لگائے جس سے ان کی وفات ہوگئی۔ قصہ گوئی کرنے والوں نے اس میں مزید خوب رنگ آمیزی بھی کردی۔ لیکن امام ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں اس کو بالکل من گھڑت قرار دیا ہے۔ امام الدارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ نے بھی اس واقعہ کی نفی کی ہے۔

الزبیر بن بکار کی روایت:

امام ابن الجوزی نے الزبیر بن بکار المتوفی ۲۵۶ھ سے بغیر سند ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے عبدالرحمٰن الاوسط ابو شحمة جہاد کی غرض سے مصر میں تھے کہ اتفاقاً انہوں نے ایک رات نبیذ پی لیا۔ جس سے ان کو نشہ ہوگیا۔ صبح انہوں نے امیر لشکر عمرو بن العاص سے شراب کی حد لگانے کو کہا۔ جب انہوں نے انکار کیا تو ابو شحمہ نے دھمکی دی۔ واپس جا کر باپ کو بتاؤں گا۔ اس پر امیر لشکر نے ابو شحمة کو اپنے گھر میں حد لگادی۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے امیر لشکر کو عبدالرحمٰن کے ساتھ نرمی کرنے پر ملامت کا خط لکھا۔ جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ تم نے اس کے ساتھ وہ سلوک کیوں نہ کیا جو عام مسلمانوں کے ساتھ کرتا ہے۔ یعنی لوگوں کے سامنے حد کیوں نہ لگائی۔ جب عبدالرحمٰن اپنے باپ کے پاس آئے تو انہوں نے بیٹے کو مارا یعنی حد لگائی۔

امام ابن الجوزی کا تعجب:

امام ابن الجوزی نے لکھا ہے:

لَيْسَ بِعَجِيْبٍ اَنْ يَكُوْنَ شَرِبَ نَبِيْذًا مُتَاوِّلًا فَسُكِرَ عَنْ غَيْرِ بِاخْتِيَارٍ وَاِنَّمَا لَمَّا قَدِمَ عَلٰى عُمَرَ ضَرَبَهٗ ضَرَبَ تَاْدِيْبًا لَا ضَرَبَ حَدٍّ وَمَرِضَ بَعْدَ ذٰلِكَ لَا مِنَ الضَّرْبِ وَمَاتَ ۔

''کیا یہ عجیب نہیں کہ عبدالرحمٰن نے تاویلاً نبیذ پیا۔ اس سے غیر اختیاری طور پر نشہ ہوگیا۔ جب عمر کے پاس آئے تو انہوں نے تادیبی مار ماری۔ وہ حد کی مار نہیں تھی۔ اس کے بعد وہ بیمار ہوگئے۔ اس کی وجہ تادیبی مار نہ تھی اور وہ فوت ہوگئے۔''

مولانا عبدالرؤف عبدالحنان کا تعاقب:

ظاہر ہے کہ آج جو بھی علم سے محبت رکھنے والا لکھتا ہے۔ اس کا ماخذ ائمہ کرام کی انتہائی محنت سے لکھی ہوئی کتابیں ہی ہوتی ہیں۔ اصل واقعہ کا شاہد کوئی بھی نہیں ہوتا۔ چوں کہ میرا مضمون مختصر تھا جس میں میں نے لکھا تھا کہ غلطی امیر لشکر کی تھی اور سزا عبدالرحمٰن کو مل گئی۔ ایک ہی جرم پر دوہری سزا دینا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

اگرچہ جن کتابوں میں اس واقعہ کا ذکر ہوا ہے ان میں اس کا یہ جواب بھی منقول ہے کہ وہ حد نہ تھی بلکہ باپ کی طرف سے تادیباً سزا تھی۔ میں نے جو سمجھا اس بنا پر میں نے مصر میں ابو شحمہ کے واقعہ کو بھی

من گھڑت کہہ دیا۔ جس پر کویت سے مولانا عبدالرؤف عبدالحنان صاحب نے تعاقب کرتے ہوئے ''الاعتصام'' کولکھ بھیجا کہ مصر والی روایت کا انکار درست نہیں۔ دلائل کے طور پر انہوں نے چند حوالے بھی دے دیئے۔

''الاعتصام'' نے شمارہ:۲۴، جلد: ۶۱ ۱۲، ۱۲ جون ۲۰۰۹ء میں اس کو نمایاں طور پر شائع کر دیا۔ چوں کہ تعاقب دوسطری تھا۔ لہٰذا میں نے ادارہ سے مزید وضاحت چاہی تو انہوں نے مجھے اسی سلسلے میں مولانا عبدالرؤف صاحب کا شمارہ:۳، جلد:۴۳، ۲۸ جنوری ۱۹۹۱ء میں شائع ہونے والا مضمون ''الموضوعات'' بھیج دیا۔ جس پر میں ادارے کا شکر گزار ہوں۔

مولانا موصوف کے مطابق مصر والی روایت اس لیے درست ہے کیوں کہ اس کی سند بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ اس کو عبدالرزاق نے المصنف، ج:۹، ص:۲۳۳ میں، جوز جانی نے اباطیل: ۲۴۰، ص:۲۳۶ میں اور بیہقی نے السنن الکبریٰ، ج:۸، ص:۳۱۲، ۳۱۳ میں، بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

ایک وضاع کا واقعہ:

مولانا عبدالرؤف صاحب جانتے ہیں کہ علم الحدیث میں سند کے ساتھ متن بھی دیکھا جاتا ہے، اور احادیث گھڑنے والے ہمیشہ ثقہ راویوں کی سند ہی سے احادیث گھڑتے ہیں۔ اس سلسلہ میں امام ابن الجوزی نے، ج:۱، ص:۴۶، میں ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔

امام ابن حنبل اور امام یحییٰ بن معین نے الرصافۃ کی مسجد میں نماز پڑھی۔ نماز کے بعد ایک قصہ گو لوگوں کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا۔ ہم سے احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے اور ان دونوں نے کہا، ہم سے عبدالرزاق نے، اس نے معمر سے، اس نے قتادہ سے، اس نے انس سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا تو اس کے ہر کلمہ کو اللہ ایک پرندہ ایسا بنا دیتا ہے کہ جس کی چونچ سونے کی اور پر مرجان کے ہوتے ہیں۔ پھر اس نے کوئی بیس ورقوں کے برابر قصہ گوئی کی۔

امام احمد بن حنبل امام یحییٰ بن معین کی طرف اور وہ امام احمد بن حنبل کی طرف دیکھ رہے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے ان سے کہا، کیا آپ نے اس سے یہ حدیث بیان کی ہے؟ یحییٰ بن معین نے کہا، اللہ کی قسم! میں نے یہ ابھی سنی ہے۔ جب قصہ گو اپنی قصہ بیانی سے فارغ ہوا تو اس نے لوگوں سے عطیات وصول کیے اور مزید کی امید میں بیٹھا رہا۔ امام یحییٰ بن معین نے اشارے سے اس کو بلایا۔ وہ سمجھا کہ کچھ اور ملنے والا ہے۔ جب ان کے پاس آیا تو یحییٰ بن معین نے اس سے پوچھا، تجھ سے تیری بیان کردہ حدیث کس نے بیان کی تھی۔

قصہ گو نے فوراً کہا: احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے۔ یحییٰ بن معین نے اس کو بتایا میں یحییٰ بن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں۔ ہم نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے قطعاً نہیں سنی۔ اگر تو نے ضرور جھوٹ بیان کرنا ہی ہے تو کسی اور کا نام لیا کر۔

قصہ گو نے کہا: تم ہی یحییٰ بن معین ہو۔ انہوں نے کہا: ہاں، اس نے کہا: میں ہمیشہ سنا کرتا تھا کہ یحییٰ بن معین احمق ہے۔ آج معلوم ہو گیا کہ وہ واقعی احمق ہے۔

یحییٰ بن معین نے کہا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں احمق ہوں۔ کہنے لگا: کیا دنیا میں تم دونوں کے سوا اور کوئی یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل نہیں۔ میں نے سترہ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین سے روایات لکھی ہیں۔

امام احمد بن حنبل نے اپنے بازو سے اپنے چہرے کو ڈھانپ کر کہا: اس کو جانے دو۔ وہ کھڑا اس انداز میں ہوا گویا کہ دونوں کا مذاق اڑا رہا ہے۔

ائمہ حدیث کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ احادیث جمع کرنے میں ممکنہ حد تک احتیاط کریں۔ لیکن پھر بھی کہیں نہ کہیں ضعیف وموضوع روایات ان کے مجموعے کا حصہ بن جاتی تھیں۔ بخاری ومسلم کی کتابوں ہی کو صحیحین ہونے کا شرف حاصل ہے۔

المستدرک کی دو روایات:

المستدرک، ج:۲، ص:۶۱۵، میں امام حاکم نے قتادہ، سعید بن

المسیب اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا۔ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی۔ اے عیسیٰ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آ اور تیری امت میں سے جو اس کو پائیں ان کو حکم دینا کہ وہ اس پر ایمان لے آئیں اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آدم علیہ السلام کو پیدا نہ کرتا۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو میں جنت ودوزخ کی تخلیق نہ کرتا۔ جب میں نے پانی پر عرش بنایا تو وہ ہلنے لگا میں نے اس پر لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُـحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا تو وہ ساکن ہوگیا۔

امام ابن حاکم کا کہنا ہے:

هٰذَا الْحَدِيْثُ صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ ـ

یہ حدیث صحیح سند والی ہے۔ لیکن بخاری ومسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔

امام الذہبی نے اس حدیث کی تلخیص میں لکھا ہے۔

اَظُنُّهٗ مَوْضُوْعًا عَلٰى سَعِيْدٍ ـ

میرا خیال ہے کہ یہ سعید کے نام پر گھڑی گئی ہے۔

اسی سلسلہ میں ساتھ ہی دوسری روایت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے حوالے سے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی تو انہوں نے کہا: اے میرے رب! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے معاف کردے۔ اللہ نے فرمایا: تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچان لیا۔ حالاں کہ میں نے اس کو پیدا نہیں کیا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے ربّ! جب تو نے اپنے ہاتھ سے میری تخلیق کی اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا۔ پھر میں نے عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ پس میں نے جان لیا تو نے اپنے نام کے ساتھ اس کے نام کا اضافہ کیا ہے جو تیری مخلوق میں سے تیرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اے آدم! تو نے سچ کہا۔ وہ میری مخلوق میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے۔ لہٰذا اس کے حق کے ساتھ مجھے پکار۔ تجھے معاف کردوں گا۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔

امام حاکم کا کہنا ہے یہ حدیث صحیح سند والی ہے۔ لیکن امام الذہبی کا کہنا ہے۔ یہ من گھڑت ہے اور عبدالرحمٰن واہی ہے۔

یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین کے جس قصے کا ذکر امام الجوزی نے کیا اس میں قصہ گو نے عبدالرزاق، معمر اور قتادہ کے نام استعمال کیے اور دوجلیل القدر اماموں کی موجودگی میں نہ صرف کیے بلکہ ان کا اس نے مذاق بھی اڑایا۔

مصنف عبدالرزاق والی روایت:

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خلافت عمر میں میرے بھائی عبدالرحمٰن بن عمر اور ابومسروعہ عقبہ بن حارث نے ایک رات نبیذ پی لی۔ جس سے وہ نشہ میں آگئے۔ جب صبح ہوئی تو وہ دونوں عمرو بن العاص کے پاس گئے اور وہ امیر عصر تھے۔ ان سے کہا ہمیں پاک کرو، ہم نے نبیذ پی لی، جس سے ہمیں نشہ ہوگیا۔

ابن عمر کا کہنا ہے، میرے بھائی نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ نشہ میں آگئے تھے۔ میں نے ان سے کہا، گھر چلو میں تمہیں پاک کروں۔ مجھے خبر نہ تھی کہ عمرو کے پاس جاچکے ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا وہ اس واقعہ کی خبر امیر کو دے چکے ہیں۔

میں نے کہا: آج سب لوگوں کے سامنے تمہارا سر نہیں مونڈا جائے گا۔ گھر چلو، میں تمہارا سر مونڈ دوں اور اس وقت حد کے ساتھ سر بھی مونڈا کرتے تھے۔ وہ گھر آئے، میں نے اپنے ہاتھ سے ان کا سر مونڈ دیا۔ اس کے بعد عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کو کوڑے لگائے۔

اس واقعہ کی خبر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے لکھا۔ عبدالرحمٰن کو میرے پاس بھیج دو۔ انہوں نے بھیج دیا۔ جب ان کے پاس آئے تو انہوں نے اپنے ہاں عزیز ہونے کی بنا پر کوڑے مارے اور سزا دی۔ اور پھر چھوڑ دیا۔ وہ ایک ماہ تندرست رہے۔ پھر ان کی تقدیر آن پہنچی اور وہ فوت ہوگئے۔ عامۃ الناس تو یہ تصور کرتے ہیں کہ ان کی موت عمر رضی اللہ عنہ کے کوڑوں کی وجہ سے ہوئی۔ حالاں کہ ان کی موت ان کے کوڑوں کی وجہ سے نہ تھی۔

مولانا موصوف کا کہنا ہے کہ اس واقعہ کی سند صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری، ج:۱۲، ص:۶۵ اور الاصابۃ، ج:۳، ص:۷۲،۷۳

میں اس کو صحیح کہا ہے۔ پھر فتح الباری کی عبارت بھی نقل کر دی۔

وقد ورد عن عمر فی قصة ولده ابوشحمة لما شرب بمصر فحده عمرو بن العاص فی البیت ان عمر انکر علیه واحضره الی المدینة وضربه الحد جهرا روی ذلك ابن سعد واشار الیه الزبیر واخرجه عبدالرزاق بسند صحیح عن ابن عمر مطولا۔

روایت مذکورہ کا تجزیہ:

یہ روایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے جو انتہائی متقی انسان تھے۔ اس روایت میں سب سے پہلے ان کے تقویٰ وطہارت اور علم وعدالت کو یوں داغ دار کیا ہے کہ جب ان کے بھائی نے بتایا کہ وہ نشہ میں آ گئے تھے تو انہوں نے کہا کہ گھر چلو میں تمہیں پاک کرتا ہوں۔ بھائی کے معاملے کو انہوں نے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی۔ کیوں کہ پاک کرنے یعنی حد لگانے کا حق امیر لشکر عمرو بن العاص کا تھا۔ جو انہوں نے استعمال کرنے کا ارادہ کیا۔

پھر ان کا یہ کہنا، لوگوں کے سامنے تمہارا سر نہیں مونڈا جائے گا۔ گھر چلو میں تمہارا سر مونڈ دوں۔ وہ گھر آئے اور میں نے اپنے ہاتھ سے ان کا سر مونڈ دیا۔ اس وقت حد کے ساتھ سر بھی مونڈا کرتے تھے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حد کے ساتھ سر مونڈنے کا فیصلہ اللہ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے فرمایا تھا۔ جب کہ سر منڈوانا سنت اور حج وعمرہ کے موقع پر باعث اجر ہے۔

اس روایت میں یہ منقول نہیں کہ عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے گھر میں کوڑے مارے بلکہ مطلق کوڑے مارنے کا ذکر ہوا ہے۔ روایت کے الفاظ ثم جلدهم پھر اس نے ان کو کوڑے مارے۔ شراب دو آدمیوں نے پی تھی۔ ایک ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بھائی عبدالرحمٰن تھے۔ خیال رہے کنیت کا ذکر نہیں ہوا۔ دوسرے ابوسروعۃ عقبہ بن الحارث تھے۔ لیکن جلدهم میں ضمیر هما کی بجائے جمع استعمال ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کے ساتھ اور بھی لوگ تھے۔ اگر تھے تو وہ کون تھے۔

روایت کے الفاظ ہیں:

فَسَمِعَ بِذٰلِكَ عُمَرُ۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں سن لیا۔ انہوں نے عمرو رضی اللہ عنہ کو لکھا۔ عبدالرحمٰن کو فوراً میرے پاس بھیج دو۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کر دی۔

فَلَمَّا قَدِمَ عَلٰی عُمَرَ جَلَدَهٗ وَعَاقَبَهٗ لِمَكَانِهٖ مِنْهُ۔

جب عبدالرحمٰن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے تو انہوں نے ان کو کوڑے لگائے اور سزا بھی دی۔ اس کی وجہ ان سے عزیزداری تھی۔

قرآن حکیم کی سورۃ البقرہ، آیت: ۸۳، سورۃ النساء، آیت: ۳۶، میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

﴿ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی ﴾

''اور والدین اور قریبیوں کے ساتھ احسان کرو۔''

لہٰذا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر بہتان ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو سزا ملنے کے بعد سزا دی۔ اس سزا میں جو بھی تاویل کی گئی ہے۔ وہ تاویل ان بزرگوں کی ہے کہ جنہوں نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

سوچنے اور دیکھنے والی بات یہ ہے کہ سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حد لگوانے والوں کے لیے دعائیہ اور تعریفی کلمات فرمایا کرتے تھے۔ کسی کو ان کے بارے میں بری بات کہنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان باتوں سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ لہٰذا ان کے بارے میں تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف کوئی عمل کیا۔

مذکورہ روایت میں منقول ہے۔ ابوسروعۃ عقبہ بن الحارث نے عبدالرحمٰن کے ساتھ شراب پی۔ ابوشحمہ والی روایت المصنف سے ملتی ہوئی السنن الکبریٰ، کنز العمال اور الاباطیل والمناکیر تک تو پہنچ گئی لیکن ان کتابوں میں سے کسی ایک میں بھی یہ منقول نہیں کہ ابوسروعہ کو بھی دوسری مرتبہ حد لگائی گئی۔ کیوں کہ جو کمی یا کمزوری عبدالرحمٰن کے بارے رہ گئی تھی۔ ابوسروعہ بھی اس میں شریک تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ کتب رجال کی کسی کتاب میں منقول نہیں کہ ابوسروعۃ عقبہ بن الحارث کو مصر میں شراب پینے پر حد لگی تھی۔

مولانا موصوف نے کنز العمال کا حوالہ تو دیا اس میں منقول

روایت رقم:۳۶۰۱۴ کو اپنا لیا لیکن اس سے پہلے مروی روایت پر غور نہیں کیا۔ جس میں عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے اللہ کی قسم کھا کر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا:

اِنِّیْ لَاُقِیْمُ الْحُدُوْدَ فِیْ صِحْنِ دَارِیْ عَلَی الذِّمِّیْ وَالْمُسْلِمِ۔

بے شک میں ذمی اور مسلم پر حدود اپنے گھر کے صحن ہی میں قائم کرتا ہوں۔

اپنے بیٹے کو اس کے باوجود عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب سزا دینے لگے تو عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا:

قَدْ اُقِیْمَ عَلَیْهِ الْحَدُّ مَرَّةً فَمَا عَلَیْهِ اَنْ تُقِیْمَهٗ ثَانِیَةً۔

اس پر حد قائم ہو چکی ہے۔ آپ اس پر دوسری مرتبہ نہ لگائیں۔

فَلَمْ یَلْتَفِتْ اِلٰی هٰذَا عُمَرُ وَزَجَرَهٗ۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کی طرف توجہ نہ کی بلکہ ان کو ......اور دوسری مرتبہ حد لگا دی۔ بیٹا چیختا رہا، میں بیمار ہوں۔ آپ مجھے قتل کر دیں گے۔ مگر عمر رضی اللہ عنہ نے حد لگا دی۔ پھر ان کو قید کر دیا اور وہ بیمار ہونے کے بعد فوت ہو گئے۔

یہ روایت اس روایت کی تفصیل ہے کہ جس کے بارے میں مولانا صاحب کا خیال ہے اس کی سند صحیح ہے۔ دونوں کو ملا کر دیکھا جائے تو ذرا سا غور کرنے پر اس قصہ کو صحیح تسلیم کرنا مشکل ہوگا۔

فتح الباری کا حوالہ دیتے ہوئے بھی مولانا موصوف نے غور نہیں کیا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے مذکورہ قصہ کی علمی انداز میں تردید کر دی ہے اور اس کا ذکر صحیح البخاری کتاب ابوداؤد کے بَابُ مَنْ اَمَرَ بِضَرْبِ الْحَدِّ فِی الْبَیْتِ سے کر دیا۔ اس کا باب جو گھر میں حد لگانے کا حکم دیا۔

باب کا عنوان ہی ایسا ہے کہ جس سے مصر والے قصہ کی نفی ہو جاتی ہے۔ پھر امام بخاری نے عقبہ بن الحارث سے نقل کیا ہے اور ابن حجر نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ابن عامر بن نوفل ہی عبد مناف تھے۔ امام بخاری کی کتاب التاریخ الکبیر، ج:۶،ص:۴۳۰،رقم:۲۸۸۶ میں ان کی کنیت ابوسروعہ منقول ہے اور یہی الاستیعاب، الاصابہ اور اسد الغابہ میں بھی مروی ہے۔

انہی کے بارے میں مصنف عبدالرزاق اور السنن الکبریٰ میں منقول ہے کہ عبدالرحمٰن بن عمر کے ساتھ مصر میں شراب پی تھی۔ جس کی وجہ سے عمرو بن العاص نے ان پر حد لگائی تھی۔ لیکن صحیح بخاری، رقم: ۶۷۷۴ میں مذکور باب کے تحت انہی سے مروی ہے۔ نعیمان یا ابن نعیمان کو اس حال میں لایا گیا کہ وہ شراب پیئے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ نے جو گھر میں تھے ان کو حکم دیا کہ شرابی کو ماریں۔ پس انہوں نے اس کو مارا۔ میں بھی ان میں سے تھا جس نے اس کو جوتوں سے مارا۔

حافظ ابن حجر نے ترجمۃ الباب کے بارے میں لکھا ہے:

اَیْ خِلَافًا لِمَنْ قَالَ: لَا یُضْرَبُ الْحَدُّ سِتْرًا۔

یعنی یہ باب اس کے خلاف ہے جو کہتا ہے۔ پوشیدہ طور پر حد نہیں لگائی جائے گی۔

مولانا موصوف نے حافظ ابن حجر کی جس عبارت کو دلیل بنایا ہے اس کا ترجمہ ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے بیٹے ابوشحمہ کے بارے میں ایک قصہ وارد ہوا ہے۔ جس نے مصر میں شراب پی اور عمرو بن العاص نے ان کو گھر میں حد لگائی۔ جس کا عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور اس کو مدینہ میں بلا کر لوگوں کے سامنے حد لگائی۔ اس کو ابن سعد نے روایت کیا۔ الزبیر نے اس کی طرف اشارہ کیا اور عبدالرزاق نے صحیح سند سے لمبے واقعہ کی صورت میں بیان کیا۔ جمہور اہل علم نے اس پر اکتفا کیا۔ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کو بیٹے کی تادیب میں مبالغہ کرنے پر محمول کیا۔ یہ بات نہیں تھی کہ حد ظاہری طور پر ہی لگانا صحیح ہے۔

حافظ ابن حجر نے علمی انداز میں وارد ہونے والے قصہ کے بارے جو ان تک پہنچا۔ وہ انہوں نے بیان کرتے ہوئے واضح کر دیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے گھر میں لگی ہوئی حد کو تسلیم نہ کیا بلکہ بیٹے کو لوگوں کے سامنے حد لگائی جو کہ رسول اللہ ﷺ کے عمل کے مطابق نہ تھی۔ لہٰذا انہوں نے اس قصہ کی حقیقت بیان کر دی کہ عمر رضی اللہ عنہ گھر میں لگی ہوئی حد کا انکار نہیں کر سکتے تھے۔ اگر اس قصہ کی کوئی حقیقت ہوتی تو حافظ ابن حجر اس کو ایک حقیقی واقعہ کی صورت میں اپنی کسی نہ کسی کتاب یعنی کتاب الحدود یا کتاب الاشربہ کا حصہ بناتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق وتدقیق:

الاصابہ، ج:۴،ص: ۱۷۴، رقم: ۵۱۶۵ میں حافظ ابن حجر نے ابوشحمہ کے بارے میں لکھا ہے:

وُلِدَ فِیْ عَھْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَمَا سَاُبَیِّنُہٗ فِیْ تَرْجُمَتِہٖ فِی الْقِسْمِ الثَّانِی اِنْ شَاءَ اللّٰہُ ۔

''وہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں پیدا ہوئے عنقریب میں اس کے ترجمہ قسم ثانی میں ان شاءاللہ وضاحت کروں گا۔''

چناں چہ الاصابہ، ج:۵،ص:۳۰۷، رقم:۶۲۲۲ میں حافظ ابن حجر نے عبدالرزاق والی سند صحیح کا ہی ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

عُمَر رضی الله عنه عَاشَ بَعْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَحْوَ ثَلَاثَ عَشَرَۃَ سَنَۃٍ وَکَانَ مَوْتُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَبْلَ مَوْتِ اَبِیْہِ بِمُدَّۃٍ وَلَا یُضْرَبُ الْحَدُّ اِلَّا مَنْ کَانَ بَالِغًا وَکَذَا لَا یُسَافِرُ اِلٰی مِصْرَ اِلَّا مَنْ کَانَ رَجُلًا اَوْ قَارِبَ الرُّجُوْلِیَّۃِ فَکُوْنُہٗ مِنْ اَھْلِ ھٰذَا الْقِسْمِ ظَاھِرٌ جِدًّا ۔

''عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے بعد تقریباً تیرہ سال زندہ رہے اور عبدالرحمٰن کی موت اپنے باپ کی موت سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی۔لہٰذا حد تو اس کو لگائی جاتی ہے جو بالغ ہو اور مصر کی طرف اسے ہی بھیجا جاتا تھا جو جوان آدمی ہوتا یا جوانی کے قریب ہوتا۔ پس اس کے اس دوسری قسم میں ہونے کی وجہ سے ان کے واقعہ کی حقیقت بالکل ظاہر ہو جاتی ہے۔''

الاصابہ کے مقدمہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے القسم الثانی کی یوں توضیح کی ہے۔

فِیْمَنْ ذُکِرَ فِی الصَّحَابَۃِ مِنَ الْاَطْفَالِ الَّذِیْنَ وُلِدُوْا فِیْ عَھْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِبَعْضِ الصَّحَابَۃِ مِنَ النِّسَآءِ وَالرِّجَالِ مِمَّنْ مَّاتَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ فِیْ دُوْنِ سِنِّ التَّمِیْزِ اِذْ ذُکِرَ اُوْلٰئِکَ فِی الصَّحَابَۃِ اِنَّمَا ھُوَ عَلٰی سَبِیْلِ الْاِلْحَاقِ لِغَلَبَۃِ الظَّنِّ ۔

''اس میں ان بچوں کا صحابہ میں ذکر کیا گیا جو نبی ﷺ کے عہد مبارک میں مردوں اور عورتوں میں سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں پیدا ہوئے اور جب نبی ﷺ فوت ہوئے تو وہ ابھی تمیز کی عمر کو نہ پہنچے تھے۔ ان کا صحابہ رضی اللہ عنہم میں ذکر صرف ان سے الحاق کے طور غلبہ ظن کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ابن حجر نے ابوشحمہ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بچوں میں شامل کر کے مصر میں ان کے واقعہ کی نفی کر دی۔''

خلاصہ کلام:

ابوشحمہ کے بارے میں مصر والی روایت کا متن ایسا ہے جس میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ان کے گھرانے کی عزت کو داغدار کرنے کی کوشش ہے۔ اگرچہ یہ روایت مصنف عبدالرزاق، السنن الکبریٰ اور الاباطیل والمناکیر میں منقول ہے۔لیکن صحاح ستہ یا مسند احمد اور اس زمانے میں لکھی گئی دیگر کتب احادیث میں اس کا ذکر نہیں ہوا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اتنا بڑا اہم واقعہ اس وقت کے عظیم محدثین سے مخفی رہا۔ امام عبدالرزاق المتوفی ۲۱۱ھ، امام البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ، امام الجوزقانی المتوفی ۵۴۳ھ کو صحیح سند سے مل گیا۔لیکن امام البخاری المتوفی ۲۵۶ھ، امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ، امام مسلم المتوفی ۲۷۹ھ، امام ابوداؤد المتوفی ۲۷۵ھ، امام الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ، امام النسائی المتوفی ۳۰۳ھ، امام ابن ماجہ المتوفی ۲۷۳ھ جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث سے اوجھل رہا ہو۔

امام عبدالرزاق کی سند نے اہل علم کو مشکل میں ڈال دیا اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عمل وفعل میں تاویلوں کا سہارا لینا پڑا۔ کیوں کہ ان کی طرف منسوب عمل قرآن وحدیث کی تعلیم کے ہرگز مطابق نہیں تھا۔ کتب رجال میں ابوشحمہ کی ماں کا نام لہیۃ منقول ہے۔ جو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی لونڈی ام ولد تھیں۔ان کے بارے میں یہ بھی اختلاف ہے کہ وہ یمنی تھی اور عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کیا۔اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین



تحقیق وتنقید

آخری قسط

انوار السنن لازالۃ الفتن پر ایک نظر ❷

حافظ ریاض احمد عاقب، ملتان

(۲)......حدیث نبیذ:

قاضی صاحب نے حدیث نبیذ ذکر کی ہے:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ لَيْلَةَ الْجِنِّ مَا فِيْ أَدَاوَتِكَ؟ قَالَ قُلْتُ: نَبِيْذٌ قَالَ: تَمْرَةٌ طَيِّبَةٌ وَمَاءٌ طَهُوْرٌ أَخْرَجَهُ الثَّلَاثَةُ ـ

''سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے اس رات پوچھا جس رات جنوں کو تبلیغ کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے کہ تیرے لوٹے میں کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: کھجور کا نچوڑ ہے۔ آپ نے فرمایا: کھجور پاک اور اس کا پانی پاک ہے۔'' [دیکھو: حنفی بلوغ المرام، ص:٦]

قاضی صاحب یہ روایت نقل کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نبیذ سے وضو کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مشہور مسلک ہے۔ حالاں کہ جس روایت سے استدلال لیا جا رہا ہے وہ سخت ضعیف ہے۔

امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تمام اسانید کو ضعیف قرار دیا ہے اور انہوں نے واضح کیا ہے کہ نبیذ سے وضوء کرنا یہ علماء کے اجماع کے مخالف ہے۔

[تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: شرح معانی الآثار: ۱/۹۴۔۹۶]

علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

وَقَدْ ضَعَّفَ الْعُلَمَاءُ هٰذَا الْحَدِيْثَ بِثَلَاثِ عِلَلٍ، أَحَدُهَا: جَهَالَةُ أَبِيْ زَيْدٍ۔ وَالثَّانِيْ: اَلتَّرَدُّدُ فِيْ أَبِيْ فَزَارَةَ، هَلْ هُوَ رَاشِدُ ابْنُ كَيْسَانَ أَوْ غَيْرُهٗ؟ وَالثَّالِثُ: أَنَّ ابْنَ مَسْعُوْدٍ لَمْ يَشْهَدْ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ لَيْلَةَ الْجِنِّ ـ

[نصب الرایۃ: ۱/۱۹۳]

علمائے کرام نے تین علل کی بنا پہ اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے:

① ...... ابو زید مجہول ہے۔ جس طرح امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''جامع ترمذی، باب ما جاء فی الوضوء بالنبیذ، رقم:۸۸'' میں امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ''المجروحین: ۳:۱۵۸'' میں امام ابن ابی حاتم نے ''العلل: ۱/۱۷، رقم: ۱۴'' میں اور امام ابن عدی نے ''الکامل: ۷/ ۲۹۱، ۲۹۲'' میں اس کی وضاحت کی ہے۔

② ......ابوفزارہ کے بارے میں تردّد وشک ہے کہ آیا وہ راشد بن کیسان یا اس کے علاوہ اور کوئی ہے۔

③ ......عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ''لیلۃ الجن'' کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ حاضر نہیں تھے۔ جس طرح خود عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی وضاحت کی ہے۔ [دیکھو: صحیح مسلم، الصلاۃ، رقم الحدیث: ۱۵۰]

قلت: چوتھی علت یہ بھی ہے کہ ابوفزارہ سے شریک بن عبداللہ الکوفی روایت کر رہا ہے جس طرح ابوداؤد، رقم: ۸۴، اور جامع ترمذی، رقم: ۸۸، میں ہے۔ اور شریک مدلس ہے۔ [طبقات مدلسین، ص:۶۷] اور اسی طرح کثیر الخطا ہے اور اس کا حافظہ بگڑ گیا تھا۔

[دیکھو: تقریب، ص:۱۴۵]

علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نبیذ والی حدیث ثابت نہیں ہے۔ [دیکھو: التنبیہ علی مشکلات الہدایۃ: ۱/ ۳۷۵، ط: مکتبۃ الرشد]

علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''سید جمال نے کہا ہے کہ محدثین کرام کا اس پر اجماع ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔'' [ملاحظہ ہو: مرعاۃ المفاتیح: ۲/۱۸۲]

(۴)......گردن کے مسح کی حدیث:

علمائے احناف ہوں یا حنفی عوام تمام حضرات گردن کا مسح الٹے ہاتھ کی انگلیوں سے کانوں کے مسح کے بعد کرتے ہیں۔ اس پر قاضی صاحب نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے:

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ بِيَدَيْهِ عَلٰى عُنُقِهٖ وُقِيَ الْغُلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَوَاهُ اَبُو الْحُسَيْنُ ابْنُ فَارِسٍ وَصَحَّحَهٗ۔ [دیکھو: حنفی بلوغ المرام، باب الوضوء، ص: ١٦]

''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص وضو کرتا ہے اور گردن کا مسح کرتا ہے قیامت کے دن اس کی گردن میں طوق نہ ڈالا جائے گا۔ اسے ابوالحسین نے نقل کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔''

یہ روایت ضعیف ہے۔ ابن فارس اور فلیح بن سلیمان کے درمیان انقطاع ہے۔ بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قُلْتُ: بَيْنَ ابْنِ فَارِسٍ وَفُلَيْحٍ مَفَازَةٌ۔ [تلخیص الحبیر: ۱/ ۹۳]

''ابن فارس اور فلیح کے درمیان طویل فاصلے (کئی انقطاع) ہیں۔''

علامہ عبدالحئی لکھنوی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس بارے کوئی مرفوع حدیث نہیں۔ البتہ ضعیف روایات منقول ہیں۔ وہ مزید فرماتے ہیں:

''اور جو نہایہ کے مصنف اور دیگر حضرات نے گردن کے مسح کی کیفیت بیان کی ہے کہ سر اور کانوں کے مسح کے بعد تین انگلیوں کی الٹی جانب سے مسح کیا جائے تو اس بارے مجھے کوئی دلیل نہیں ملی۔ اس لیے میں نے ایسا کرنا چھوڑ دیا اور جو حدیث سے ثابت ہے اس پر عمل کرنے لگا ہوں۔'' [السعایة: ١/ ١٢٨]

کیا خون ناقض وضو ہے؟

احناف کے نزدیک خون ناقض وضو ہے۔ اس پر قاضی صاحب نے سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

"اَلْوُضُوْءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ۔" رواه الدار قطنی

[دیکھو: حنفی بلوغ المرام، ص: ٣٠]

''ہر بہنے والے خون سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔''

قاضی صاحب نے امام دارقطنی کے حوالہ سے یہ حدیث تو نقل کردی ہے لیکن امام دارقطنی کا اس حدیث پر تبصرہ نقل نہیں کیا۔ جس سے اس حدیث کے ضعیف ہونے کا پول کھلتا تھا۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ تَمِيْمِ الدَّارِيْ وَلَا رَآهُ وَيَزِيْدُ بْنُ خَالِدٍ وَيَزِيْدُ بْنُ مُحَمَّدٍ مَجْهُوْلَانِ۔ [سنن الدارقطنی، باب فی الوضوء من الخارج، رقم: ٥٧١]

''عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ سے نہ کچھ سنا ہے اور نہ دیکھا ہے۔ اور یزید بن خالد اور یزید بن محمد دونوں مجہول ہیں۔''

قلت: اس میں ایک تیسری علت یہ ہے کہ اس میں بقیۃ بن ولید مدلس راوی ہے اور وہ ''عنعنہ'' سے روایت کر رہا ہے۔ [ملاحظہ ہو: تحقیق مشکوۃ: ۱/ ۱۹۶، از علامہ البانی رحمہ اللہ مع ہدایۃ الرواۃ للحافظ ابن حجر رحمہ اللہ]

علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ نے بھی امام دارقطنی کی جرح نقل کی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھو: نصب الرایۃ: ۱/ ۸۳

(۵)......انگوٹھے چومنے والی حدیث:

جب مؤذن اذان کے اندر محمد ﷺ کا اسم گرامی لیتا ہے تو بعض حضرات انگوٹھے چومتے ہیں۔ اس پر قاضی صاحب نے دیلمی رحمہ اللہ کی ''فردوس'' کے حوالہ سے ایک مرفوع حدیث ذکر کی ہے۔ جس میں یہ آتا ہے:

جب مؤذن اذان کے درمیان نبی کریم ﷺ کا نام لے تو انگوٹھے چومتے وقت کوئی شخص یہ الفاظ پڑھے:

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا

وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ، وَقَالَ ابْنُ طَاهِرٍ فِي التَّذْكِرَةِ لَا يَصِحُّ رَفْعُهُ ـ
[ملاحظه هو حنفی بلوغ المرام، باب الاذان، ص: ۷۲]

جو مذکورہ الفاظ پڑھے گا اسے آپ ﷺ کی شفاعت ملے گی۔

انگوٹھے چومنے والی کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔ اس بارے نہ کوئی مرفوع روایت صحیح سند سے مروی ہے اور نہ ہی کوئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک صحابی سے صحیح سند سے ثابت ہے حتیٰ کہ ائمہ اربعہ سے کوئی بھی اس کی سند پیش نہیں کرسکتا۔

مذکورہ حدیث موضوع ہے بلکہ اس بارے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جتنی روایات ہیں وہ سب کی سب بناوٹی اور خودساختہ ہیں۔
[تفصیل کے لیے دیکھو: الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعہ، ص:۹]

فقہ حنفی کی معتبر کتاب ''ردّ المختار: ۱/۲۹۳'' میں ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

لَمْ يَصِحَّ فِي الْمَرْفُوْعِ مِنْ كُلِّ هٰذَا شَيْءٌ ـ

اس بارے جتنی بھی مرفوع روایات ہیں ایک بھی صحیح سند سے ثابت نہیں۔ بلکہ خود قاضی نے ابن طاہر حنفی رحمہ اللہ کی کتاب ''التذکرۃ'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے: '' لَا يَصِحُّ رَفْعُهُ '' یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ جب حدیث ثابت ہی نہیں ہے تو ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟

(٦)......عدم رفع الیدین:

قاضی صاحب نے یہاں تعصب کی انتہا کردی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رفع الیدین کے متعلق بخاری و مسلم کی روایت کو مضطرب کہہ کر ردّ کردیا ہے حالاں کہ وہ صحیح ترین روایت ہے۔ اور اپنے مذہب و مسلک کی تائید کی غرض ضعیف، من گھڑت روایات کا سہارا لیا گیا ہے۔

قاضی صاحب نے اپنے مسلک کی تائید کے لیے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَمَعَ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعُوْا أَيْدِيَهِمْ إِلَّا عِنْدَ التَّكْبِيْرَةِ الْأُوْلٰى فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ ـ اخرجه الدار قطنی والبیهقی وإسناده صحیح ـ [ملاحظه هو: حنفی بلوغ المرام، باب رفع الیدین، ص: ۱۰۲]

قاضی صاحب نے یہ روایت نقل کرکے دارقطنی رحمہ اللہ اور بیہقی رحمہ اللہ کا حوالہ دے کر اسے صحیح کہا ہے۔ حالاں کہ اس روایت کو بیان کرنے کے بعد امام دارقطنی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

تَفَرَّدَ بِهٖ مُحَمَّدُ بْنُ جَابِرٍ وَكَانَ ضَعِيْفًا ـ
[سنن دارقطنی، رقم الحدیث: ۱۱۲۰]

اس حدیث میں محمد بن جابر منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔ بلکہ یہ روایت من گھڑت ہے۔ اس میں محمد بن جابر یمامی دجالوں میں سے ایک دجال ہے۔ دیکھو: کتاب الموضوعات: ۲/۴۲

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ من گھڑت ہے اس میں محمد بن جابر متہم ہے۔'' دیکھو: الفوائد المجموعۃ، ص:۲۹

(٧)......عدم رفع الیدین کی ایک اور حدیث:

عدم رفع الیدین پر قاضی صاحب نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور حدیث نقل کی ہے:

لَا تُرْفَعُ الْأَيْدِيْ إِلَّا فِيْ سَبْعِ مَوَاطِنَ فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ ـ الخ [دیکھو: حنفی بلوغ المرام، ص:۱۰۳]

یہ روایت بھی سخت ضعیف اور ناقابل احتجاج ہے۔

اوّلاً: اس میں محمد بن عثمان راوی ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک وہ کذاب ہے اور بعض نے اس پر وضع حدیث کا حکم لگایا ہے۔
[دیکھو: میزان، ص:۳۰۸]

علامہ زیلعی حنفی نے اس حدیث پر لمبا کلام نقل کیا ہے۔ بعد ازاں انہوں نے کہا ہے یہ حدیث منقطع و غیر محفوظ ہے۔ [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، نصب الرایہ، ج:۱، ص:۳۹۰-۳۹۲ و مرعاۃ المفاتیح: ۳/۲۳]

(٨)......نماز میں ہاتھ باندھنا:

قاضی صاحب موصوف نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے:

اَلسُّنَّةُ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ

السُّرَّةِ۔" [حنفی بلوغ المرام، ص: ۱۰۹]

یہ روایت ضعیف ہے۔ ایک تو عبدالرحمٰن بن اسحاق واسطی بالاتفاق ضعیف ہے اور اس کا استاد زیاد بن زید مجہول ہے۔ جس طرح اس کی تفصیل علامہ زیلعی حنفی نے ''نصب الرایہ: ۱/۳۹۲'' میں ذکر کی ہے۔ شائقین حضرات نصب الرایہ کی طرف مراجعت کر سکتے ہیں۔

(۹)......فاتحہ خلف الامام کی حدیث:

اپنے مسلک کی تائید کے لیے قاضی صاحب موصوف نے فاتحہ خلف الامام کی اپنی کتاب میں کافی ضعیف روایات نقل کی ہیں۔ ان میں بطورِ نمونہ حدیث یہاں نقل کرتا ہوں:

مَنْ كَانَ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ۔

[حنفی بلوغ المرام، ص: ۱۱۳]

یہ حدیث قاضی صاحب نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔ اس کی چار سندیں ہیں۔ اور چاروں ہی ضعیف ہیں۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اپنی ''سنن: ۱/ ۴۳۵، رقم: ۱۴۴۰'' میں اس روایت پر کلام کیا ہے۔ شائقین حضرات ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

مولانا عبدالحئی لکھنوی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَرِدْ فِيْ حَدِيْثٍ مَرْفُوْعٍ صَحِيْحٌ النَّهْيُ عَنْ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ وَكُلُّ مَا ذَكَرُوْهُ مَرْفُوْعًا إِمَّا لَا أَصْلَ لَهُ وَإِمَّا لَا يَصِحُّ۔

[دیکھیں: التعلیق الممجد، ص: ۹۹]

''کسی بھی صحیح مرفوع حدیث میں فاتحہ خلف الامام کی ممانعت نہیں آئی اور جو بھی مرفوعاً اس سلسلے میں (ہمارے حضرات) نے ذکر کی ہیں وہ یا تو بے اصل ہیں یا وہ صحیح نہیں ہیں۔''

مزید تفصیل کے لیے مولانا عبدالحئی لکھنوی حنفی کی کلام قارئین کرام مندرجہ ذیل کتب میں ملاحظہ کر سکتے ہیں:

① ...... التعلیق الممجد، ص ۹۹

② ...... امام الکلام، ص: ۲۸۲، ۲۱۲، ۲۱۳

③ ...... السعایة: ۲/ ۳۰۲

(۱۰)......امام کے پیچھے پڑھنے والے کے منہ میں پتھر:

قاضی صاحب نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کیا:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ أَنَّ عُمَرَ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ لَيْتَ فِيْ فَمِ الَّذِيْ يَقْرَءُ خَلْفَ الْإِمَامِ حَجَرًا۔ أخرجه محمد بن الحسن۔ [حنفی بلوغ المرام، ص: ۱۱٤]

یہ روایت معضل ہونے کے باوجود سخت ضعیف ہے۔

اوّلاً: محمد بن حسن سخت ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

① ......الکامل لابن عدی: ۵/ ۲۱۸۳، ۶ ض ۱۸۴ ام

② ...... کتاب المجروحین: ۲/ ۲۷۶، از امام ابن حبان رحمہ اللہ

③ ...... کتاب الضعفاء للامام النسائی، ص: ۳۱۰

④ ......احوال الرجال، ص: ۷۷

⑤ ......لسان المیزان: ۵/ ۱۴۴

ثانیاً: محمد بن عجلان مدلس اور سیء الحفظ ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

ضعیف اور موضوع روایات، ص: ۲۱۴، از مولانا محمد یحییٰ گوندلویؒ

ثالثاً: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بغیر کسی واسطہ کے یہ روایت ہے جبکہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور محمد بن عجلان کے درمیان زمین وآسمان سے بھی زیادہ فاصلہ ہے۔ تو قاضی صاحب کی بیان کردہ روایات جن کی یہاں مثال دی گئی ہے۔ قارئین کرام ملاحظہ کر چکے ہیں۔

﴿ تلك عشرة كاملة ﴾

ہم بطور مشتے نمونہ از خروارے انہی روایات پر اکتفا کرتے ہیں۔ بتلانا صرف یہ مقصود ہے، قاضی شمس الدین علوی صاحب نے ''حنفی بلوغ المرام'' لکھ کر صرف تعصب کا اظہار کیا ہے اور محدث ہونے کی ناتمام کوشش کی ہے۔ لیکن مُحَدِّثْ بنتے بنتے قاضی صاحب مُحْدِثْ بن گئے ہیں۔ یہ کوئی دین اسلام کی خدمت نہیں کی بلکہ حنفیت کا پرچار ہے اور وہ بھی ضعیف اور ناقابل اعتبار روایات کے سہارے پر۔

حنفی بلوغ المرام لکھ کر قاضی صاحب موصوف نے کوئی تیر نہیں مارا بلکہ گناہ سمیٹ لیا ہے۔ کیوں کہ جان بوجھ کر جھوٹی بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف منسوب کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔آپ ﷺ کا فرمان ہے:

مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ۔

[صحيح بخاری: ۲۱/۱ وصحيح مسلم: ۷/۱]

”جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنالے۔“

حالاں کہ قاضی صاحب کومعلوم ہے کہ یہ روایات صحیح نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود قاضی صاحب نے حافظ ابن حجر عسقلانی کا مقابلہ کرنا چاہا ہے۔اوراس مقابلے میں حنفی بلوغ المرام لکھ کر جھوٹی روایات کو جمع کر دیا ہے اور تعجب ہے قاضی صاحب پر انہوں نے صحیح روایات جو بخاری اور مسلم کی ہیں ان کوضعیف کرنے کی ناکام سعی کی ہے۔کیوں کہ یہ روایات اس کے مسلک کے خلاف تھیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حق بات سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے،آمین یاربّ العالمین۔



فضیلۃ الشیخ حضرت حافظ محمد شریف صاحب (فیصل آباد) کوصدمہ......والدگرامی کی وفات

فضیلۃ الشیخ حافظ محمد شریف صاحب حفظہ اللہ (مدیر مرکز التربیۃ الاسلامیہ،فیصل آباد) کے والدگرامی جناب چوہدری فتح محمد صاحب ۲۰ جولائی ۲۰۰۹ء (پیراور منگل کی درمیانی شب) وفات پا گئے،اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نہایت متقی،پرہیزگاراورشب زندہ دارشخص تھے۔کم وبیش ایک صدی عمر پائی اور بھرپور زندگی بسر کی۔انہوں نے اپنے لیے ایک یادگاراورعظیم صدقہ جاریہ کے طور پر حضرت حافظ محمد شریف حفظہ اللہ کوسوگوار چھوڑا ہے۔ان کی نماز جنازہ ۲۱ جولائی بروز منگل صبح نو بجے بھمبہ کلاں ضلع قصور میں مکرم حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ نے پڑھائی۔نماز جنازہ میں ہرشعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے موجود تھے بالخصوص جید علمائے کرام نے بھرپور شرکت فرمائی۔

موصوف کی وفات محترم حافظ محمد شریف صاحب کے لیے اوران کے احباب وحلقہ تلامذہ واساتذہ کے لیے بڑے حزن کا باعث ہے۔دعا ہے اللہ کریم مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے۔بشری غلطیوں سے صرفِ نظر فرما کر اپنے جوارِ رحمت میں مقام عطا کرے۔

اللهم اغفرلهٗ وارحمهٗ وارفع درجتهٗ فی المجتهدين ۔ شریک غم: رفقاء ادارۃ العلوم الاثریہ،منٹگمری بازار،فیصل آباد

آہ......شیخ الحدیث مولانا حافظ بنیامین طور رحمہ اللہ

میرے مربی،میرے محسن شیخ الحدیث حافظ بنیامین طور رحمہ اللہ طویل علالت کے بعد اپنے وقت موعود ۱۶ جون ۲۰۰۹ء کو جمعرات کے دن راہِ ملک بقا ہو گئے۔آہ...... اناللہ وانا الیہ راجعون۔میرے بزرگ،میرے راہنما اُس جہاں میں چلے گئے جہاں سے واپس نہیں آیا جاتا اور وہاں چلے گئے جہاں ہر ذی روح نے جانا ہے۔۱۹۶۱ء میں وہ عالم رنگ وبو میں تشریف لائے۔جھوک دادوطور میں چند ایک بزرگ تھے۔حضرت میاں محمد باقر رحمہ اللہ،حضرت حافظ صاحب کے حقیقی چچا جان تھے۔میاں صاحب ولی کامل اور درویش منش انسان تھے۔راقم کی جب پیدائش ہوئی تو میرے والد صاحب مجھے میاں صاحب کے پاس لے گئے اور میری خوش بختی کہ میرا نام انہوں نے اپنے بیٹے امیر حمزہ کے نام پر رکھا۔آج جھوک دادوطور کی پہچان بھی یہ بزرگ تھے۔حضرت حافظ بنیامین طور رحمہ اللہ کے وفات پا جانے کے بعد جھوک دادوطور کے در و دیوار سنسان معلوم ہو رہے ہیں۔موصوف پڑھنے پڑھانے والے تھے۔ان کی ساری عمر تدریس کراتے گزری۔

سینکڑوں طلبا کو حدیث شریف کے علم سے مستفید فرمایا۔تصنیف وتالیف سے شغف تھا۔چھوٹی وبڑی کچھ تالیفات بھی فرمائیں۔خوش مزاج،طلبا وطالبات پر مشفق، باپ کی طرح رہنمائی کرنے والے اورغریب طلباء سے مالی مدد کرنے والے تھے۔کچھ عرصے سے بعض عوارض کے باعث علیل رہنے لگے تھے۔مختلف ہسپتالوں میں بھی زیر علاج رہے اور کبھی زبان پر ہائے وائے نہ لائے بلکہ ذکر اللہ سے زبان تر رکھتے تھے۔بندہ عاجز کے ساتھ بڑی محبت فرماتے تھے۔ان کی یہ شفقت تازندگی یاد رہے گی۔ جہاں بھی رہے اور جہاں بھی تدریس فرمائی وہاں انہیں عزت واحترام سے نوازا گیا۔علیل ہونے کی وجہ سے جب ماموں کانجن سے اپنے گاؤں منتقل ہو گئے تھے تو ماموں کانجن جامعہ تعلیم الاسلام کے مہتمم صاحب ان کی تنخواہ بدستور بھیجتے رہے۔جزاکم اللہ احسن الجزاء

حضرت موصوف کے جنازے میں ہر طبقہ زندگی کے احباب بڑی کثرت سے موجود تھے۔ایک بڑا جم غفیر شامل تھا۔متعدد مرتبہ نماز جنازہ ہوئی۔سینکڑوں لوگ جن میں علمائے کرام کی اکثریت تھی،شامل ہوئے۔گرچہ بہت خوبیاں تھیں دنیا سے جانے والے میں۔دعا گو ہوں اللہ کریم اپنے اس بندے کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور خلد بریں میں مقام ودرجات سے نوازے،آمین۔ [شریک غم،امیر حمزہ حماد طور،مدرسہ معاذ بن جبل کھیالی بائی پاس۔گوجرانوالہ]

گوشۂ خواتین

بیویوں کے باھمی تعلقات ③

امّ عبد منیب

سوکنوں کے باہمی تعلقات:

خاندان یا گھر ایک ایسی اکائی کا نام ہے جس کے ہر فرد کا دوسرے فرد کے ساتھ محبت، نرمی، اعتماد اور خوش اسلوبی کے ساتھ جڑے رہنا ضروری۔ ہے نیز اللہ تعالیٰ نے گھروں کو انسان کی جائے سکونت بنایا ہے جہاں انسان صرف اپنا وقت ہی نہیں گزارتا بلکہ اطمینان، سکون، پیار اور مودت کی فضا میں قلبی مسرت حاصل کرتا ہے۔

گھر بچوں کے چہچہانے، بڑوں کی شفیق ہمدردی اور نگرانی، ہم مرتبہ اور ہم عمر بہن بھائیوں کا باہم ہنسی مزاح، میاں بیوی کی زندگی کے خوشگوار لمحات کا امین اور راز دار ہوتا ہے۔

گھر جس کی وسعت اور خوشنمائی کا راز اس کے اینٹ گارے کواڑوں، کھڑکیوں اور گھریلو سامان سے نہیں بلکہ اس میں رہنے والے کنبے کے اطوار، عادات اور رویوں سے وابستہ ہوتا ہے۔ گھر سے محبت انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے، گھر کے افراد سے محبت اور تعلق کے بھی اللہ تعالیٰ نے متعدد فطری اسباب بنائے ہیں۔ جن میں سے سب سے پہلا سبب گھر والوں میں نسب اور خون کا تعلق ہوتا ہے۔ بعض گھر افراد کے لحاظ سے مختصر ہوتے ہیں اور بعض کافی بڑے۔ گھر والوں میں باہم محبت اور مضبوط تعلق کا ایک سبب نکاح ہوتا ہے یا پھر داماد اور بہو وغیرہ بھی نکاح ہی کے ذریعے کسی دوسرے گھر سے وابستہ ہوتے ہیں۔

گھر والوں میں باہم محبت کا ایک سبب ان کا ہمہ وقت اکٹھے رہنا بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی فرد سے نسب کا رشتہ نہ بھی ہو اور وہ کسی گھر میں طویل عرصہ رہے تو گھر کے افراد اور اس میں محبت اور موانست کا تعلق مضبوط ہو جاتا ہے۔

گھر والوں میں باہم محبت کا ایک سبب ان کی باہم ایک دوسرے سے ضروریات کا وابستہ ہونا بھی ہے۔ کیوں کہ ایک فرد تنہا اپنی زندگی کی تمام ضروریات مہیا نہیں کر سکتا پھر گرم سرد حالات، بیماری، رنج وغیرہ میں اہل خانہ ایک دوسرے کے ہمدرد، معاون اور شریک رنج ہوا کرتے ہیں جس سے پیش آمدہ بیماری یا رنج یا تکلیف کا احساس کافی حد تک کم ہو جایا کرتا ہے۔

یہی حال ہماری خوشیوں کا ہے اگر کوئی خوشی میسر ہو تو ہم سب سے پہلے اپنے اہل خانہ کو بتانے کی خواہش کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک فرد کی خوشی دراصل گھر بھر کے افراد بھرپور طریقے سے محسوس کرتے ہیں اور ان کا اظہار ایسا والہانہ ہوتا ہے جیسے یہ خوشی ان کی اپنی ہو۔

گھر اور گھر کے افراد کا تعلق اور اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ قیامت والے دن اور جنت میں بھی اللہ تعالیٰ گھر اور خاندان کو برقرار رکھے گا۔ چناں چہ جس شخص کو دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿ وَيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴾ [الانشقاق: ۹]

''اور وہ اپنے اہل وعیال کی طرف خوش خوش لوٹے گا۔''

سوکن کا استقبال:

جب ایک عورت دوسری بیوی بن کر کسی مرد کی زندگی میں اور گھر میں داخل ہوتی ہے تو اس وقت چاہیے کہ جس طرح مرد کی پہلی بیوی کو گھر میں لاتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا گیا تھا اب بھی اسی طرح خوشی کا اظہار کیا جائے۔ لیکن یہ تبھی ممکن ہے جب پہلی بیوی آنے والی کو کھلے دل کے ساتھ خوش آمدید کہے۔ اس کے برعکس اگر پہلی بیوی برا منا جائے، گھر کی فضا کو مکدر کر دے، مرد سے ناراض ہو جائے، بچوں کو چھوڑ کر میکے چلی

جائے تو ایسی حالت میں آنے والی کوئی نویلی دلہن ہونے کی وجہ سے جو اعزاز ملنا تھا اس سے وہ اگر محروم نہ بھی رہے تو بہر حال ایک دھڑکا اور کھٹکا ضرور ہوتا ہے۔ مرد کوشش کرتا ہے کہ پہلی بیوی کو نکاح کا ہی پتا نہ چلے اور اگر پتا چل بھی جائے تو اس موضوع پر اس سے کوئی بات ہی نہ کی جائے۔ غرض میاں بیوی ڈرے ڈرے سہمے سہمے چھپتے چھپاتے زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔

پہلی بیوی کو چاہیے کہ وہ ذرا خود سوچے جب اس کا نکاح ہوا تھا تو وہ اپنے خاوند اور اس کے اہل خانہ سے کس قسم کے سلوک اور اظہارِ تعلق کی خواہاں تھی؟ آج اسے چاہیے کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے اسی سلوک اور اظہارِ تعلق کو دوسری بیوی کے لیے ممکن بنانے کی کوشش کرے۔

میل ملاقات:

میل ملاقات سے باہمی محبت میں اضافہ ہوتا ہے، دلوں میں ایک دوسرے کے لیے جگہ پیدا ہوتی ہے، خصوصاً خواتین میل ملاقات سے مردوں کی نسبت زیادہ قربت اور محبت محسوس کیا کرتی ہیں۔ لہٰذا سوکنوں کے درمیان بھی یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس گھر میں رسول اللہ ﷺ کی باری ہوتی رات کو تمام امہات المومنین اس گھر میں نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوتیں۔ [صحیح مسلم، كتاب الرضاع، باب القسم بين الزوجات ان السنة ان تكون لكل واحدة ليلة مع يومها، ح: ١٤٦٢]

یقیناً اس مل بیٹھنے میں باہم ہنسی مزاح بھی ہوتا تھا، تبادلہ خیال بھی ...... نیز یہ کہ یہ طریقہ خود رسول اللہ ﷺ کا ہے جو دنیا کے ان تمام مردوں کے لیے سنت ہے جو ایک سے زائد بیویاں رکھتے ہیں اور ان تمام عورتوں کے لیے نمونہ ہے جو کسی خاوند کی ایک سے زیادہ بیویوں میں سے ہیں۔

سنت کے اس خوش گوار طریقے کے برعکس اکثر دیکھا گیا ہے کہ سوکنیں ایک دوسری سے میل ملاقات تو دور کی بات دیکھنے کی بھی روادار نہیں ہوتیں۔

بیویوں کی باہم میل ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے نہ تو مرد گھریلو سکون کا لطف اٹھا سکتا ہے نہ بیویاں اور نہ ہی بچے۔ باہم میل ملاقات نہ ہونے سے مرد اپنی کسی مسرور کن کیفیت کا یا غم زدہ کرنے والی کیفیت کا بیویوں سے اظہار نہیں کر سکتا۔ انسانی نفسیات کا تقاضا ہے کہ وہ خوشی اور غم کا اپنوں سے اظہار کر کے تسکین محسوس کرتا ہے۔ یہ کتنی غیر فطری اور تکلیف دہ بات ہے کہ ایک ہی گھر کے دو حصے ایک دوسرے کے غم یا خوشی سے لاتعلق رہیں۔ باہم میل ملاقات نہ ہونے سے دیگر تمام حسن سلوک کے مظاہر سے انسان محروم رہ جاتا ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جب بیوی مرد کے خوشی اور غم میں شامل نہیں ہوتی تو وہ مرد ہی سے دن بہ دن دور ہوتی جائے گی۔

حق قرابت:

ایک بیوی دوسری کے لیے سکونت اور رشتے کے لحاظ سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ اسلام نے اہل قرابت کے حقوق کے بارے میں حکم دیا ہے:

﴿ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ ﴾ [بنی اسرائیل]

''اور قرابت والے کو اس کا حق ادا کیا کرو۔''

اسلام نے تو جو چند ثانیے کے لیے ہمارے ساتھ آ کر بیٹھ جائے اس کے بھی حقوق متعین کیے ہیں اور انہیں خوش اسلوبی اور خندہ روئی سے ادا کرنے کی تلقین کی ہے۔ حکم ہے:

﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ﴾ [النساء:٣٦]

''اور اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ، والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، پڑوسیوں اور اجنبی (یا دور کے) پڑوسیوں اور پہلو کے ساتھی، ساتھ بیٹھنے والے اور مسافر اور اپنے مملوک (لونڈی غلام) کے ساتھ احسان کرو۔''

وہ عورت جو کسی عورت کے شوہر کی ویسی ہی بیوی ہے جس طرح وہ خود ہے کیا وہ دونوں صاحب الجنب سے بھی گئی گزری ہیں کہ ایک دوسرے کے حقوق ادا ہی نہیں کرتیں۔

یاد رہے کہ اسلام نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق بتائے ہیں وہ کم از کم ہیں۔لہٰذا سوکنوں کو ان کم از کم حقوق کو تو ادا کرنا ہی چاہیے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" حَقُّ الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَةِ الدَّعوةِ وَتَشْمِيتِ العَاطِشِ۔"

[صحيح بخاری، صحيح مسلم]

''مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازوں کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا، چھینک کا جواب دینا۔'' ☆

مرد کی آبرو کی حفاظت کا تقاضا:

بیوی پر یہ فرض ہے کہ وہ خاوند کی موجودگی اور عدم موجودگی دونوں میں اس کے جان مال اور آبرو کی حفاظت کرے۔فرمانِ ربی ہے:

﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ﴾

[النساء: ٣٤]

''پس نیک عورتیں فرماں برداری کرتی ہیں اور پیٹھ پیچھے (شوہروں کے مال اور آبرو کی) حفاظت کرتی ہیں اللہ کی توفیق اور حفاظت سے۔''

اگر ایک بیوی دوسری بیوی سے میل ملاقات نہیں رکھتی یا اس سے تعلق کشیدہ رکھتی ہیں تو لوگوں میں مرد کے اہل خانہ کے بارے میں اچھی رائے قائم نہیں ہوگی بلکہ یہ چہ میگوئیاں ہوں گی کہ اس کی بیویاں تو ایک دوسری کو دیکھنے کی بھی روادار نہیں۔غرض بیویوں کو باہم کوئی ایسا رویہ نہیں اپنانا چاہیے جس سے مرد کی سماجی حیثیت اور وقار مجروح ہو۔

بیویوں میں خوش طبعی:

ایک گھر کی خوش گوار فضا کا انحصار اس بات پر ہے کہ آیا اس کے رہنے والے باہم خوش مزاجی سے اپنے تعلقات قائم رکھتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ کی بیویوں میں یہ بات بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔چناں چہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر پر جاتے تو بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے۔ایک دفعہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا دونوں کے نام قرعہ نکلا، رسول اللہ ﷺ دورانِ سفر رات کے وقت چلتے چلتے اپنی بیوی سے باتیں کیا کرتے تھے (دونوں سے باری باری) ایک رات حفصہ رضی اللہ عنہا نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا (از راہِ مذاق) آپ میرے اونٹ پر سوار ہو جائیں اور میں آپ کے اونٹ پر سوار ہو جاتی ہوں۔ذرا آپ بھی دیکھنا کیا ہوتا ہے اور میں بھی دیکھوں گی۔چناں چہ دونوں نے سواری بدل لی۔

رسول اللہ ﷺ رات کے وقت حسب معمول عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کی طرف آئے حالاں کہ اس پر ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں۔آپ ﷺ نے انہیں سلام کیا۔حفصہ رضی اللہ عنہا نے سلام کا جواب دیا لیکن رسول اللہ ﷺ پہچان نہ سکے اور باتیں کرتے کرتے چلتے گئے حتی کہ اپنی منزل پر پہنچ گئے۔عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی رفاقت سے محروم رہ گئیں۔عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی اس محرومی پر جھنجھلا گئیں یعنی برداشت نہ کر سکیں۔اور (جھنجھلاہٹ میں پڑاؤ کیا تو) اپنے پاؤں اذخر گھاس میں ڈال کر کہنے لگیں، یا اللہ! کوئی سانپ یا بچھو بھیج دے جو مجھے کاٹ کھائے، انہیں (رسول اللہ ﷺ کو) تو میں کچھ کہہ نہیں سکتی......(یعنی قصور میرا اپنا ہے جس نے مذاق مذاق میں اونٹ بدل لیا اور رفاقت سے محروم رہی۔)

[مختصر صحیح بخاری للز بیدی بحوالہ نکاح کے مسائل]

اس واقعے سے پتا چلتا ہے کہ باہم سوکنوں کے تعلقات میں خوش مذاقی بھی ہونی چاہیے۔نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ دورانِ سفر بھی بیویوں کو

☆ اور ایک روایت میں چھ حق بیان کیے گئے ہیں اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے: وَاِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْهُ یعنی جب وہ خیر خواہی کا طالب ہو تو اس سے خیر خواہی کرے۔صحیح مسلم بحوالہ بلوغ المرام، کتاب الجامع، باب الادب۔(الاعتصام)

وقت دینے یا رفاقت دینے میں برابری کیا کرتے تھے۔

سوکنوں کی خوبیوں کا اعتراف:

باہمی خوش گوار تعلقات کا ایک راز یہ بھی ہے کہ ایک دوسری کی خوبیوں کا کھلے دل سے اعتراف کریں۔ امہات المومنین آپس میں بہنوں کی طرح رہتی تھیں اور ایک دوسری کی خوبیوں کو سراہتی تھیں۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بارے میں ان کی اچھائیوں کا ذکر اس انداز میں کرتی ہیں:

میں نے زینب سے زیادہ دین دار، اللہ سے ڈرنے والی، زیادہ سچی اور زیادہ صلہ رحمی کرنے والی کوئی عورت نہیں دیکھی۔

[مسلم، کتاب الوظائف]

ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا کی خوبیوں کی گواہی عائشہ رضی اللہ عنہا نے یوں دی:

"مَا رَأَيْتُ امْرَأَةً أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ أَكُونَ فِي مِسْلَاخِها من سَودةِ بنتِ زُمعة ۔" [مسلم، کتاب الرضاع، باب جواز هبتها نوبتها لضرتها]

''میں نے سودہ بنت زمعہ سے بہتر اور عزیز ترین عورت نہیں دیکھی، مجھے آرزو تھی کہ ان کے جسم میں میری روح ہوتی۔''

سوکن کے متعلق حق کی گواہی:

جب کبھی سوکن کے بارے میں گواہی دینا پڑ جائے اور وہ واقعتاً کردار کی بلند اور پاکیزہ ہو تو اس کی گواہی حق کے ساتھ دیں۔ فرمانِ ربی ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴾

[المائدة:٨]

''اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو، انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔''

جب عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے تہمت لگائی تو زینب رضی اللہ عنہا نے آپ کے پاکیزہ کردار کے بارے میں گواہی دیتے ہوئے فرمایا:

"يا رسول الله ﷺ أَحْمِيْ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ مَا عَلِمْتُ إِلَّا خَيْرًا ۔" [صحیح بخاری، کتاب التفسیر، ح:٤٧٥٠]

''اے اللہ کے رسول ﷺ میں جھوٹا دعویٰ کرنے سے خود کو باز رکھتی ہوں، میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کا جو کچھ سنا یا دیکھا اس میں بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں جانتی۔''

یہ ہے سوکن کی سوکن کے بارے میں اعلیٰ ظرفی اور شہادت حقہ، اب ذرا اس کے برعکس رویے کو بھی سامنے رکھیں۔ بہت سی سوکنیں کسی سوکن کی عیب کی بات کسی دوسرے سے سن کر خوش ہوتی ہیں اور اسے مرچ مصالحہ لگا کر دوسروں میں مشہور کرتی ہیں۔ حالاں کہ غیبت، عیب جوئی اور کسی کے عیوب کی تشہیر کرنا کبیرہ گناہوں میں شامل ہیں۔ غیبت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ ﴾ [الحجرات:١٢]

''تم میں سے ایک شخص دوسرے کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ تم تو اسے ناپسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت رجوع کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

رہی عیوب کی تشہیر تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لَا يَسْتُرُ عَبْدٌ عَبْدًا فِي الدُّنيا إِلَّا سَترهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔" [مسلم، کتاب البر، رقم الحدیث: ٢٥٩٠]

''جو بندہ کسی بندے کی دنیا میں ستر پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت والے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔''

تحائف کالین دین:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تھادوا تحابوا ''تحفے لواور دوان سے باہم محبت بڑھتی ہے۔''

[بخاری، الادب المفرد، باب قبول الهديه، رقم الحديث: ٢٦٩، تحقيق محمد فواد عبدالباقی]

اگر تحفے میں خلوص ہو، ریا اور نمود نہ ہو، نیز حسب استطاعت دیا جائے تو واقعتاً تحفہ باہمی محبت کا بہت بڑا محرک ہے۔ کسی کے معمولی سے ہدیے کو بھی بہت بڑا تحفہ سمجھنا چاہیے۔ کیوں کہ ہدیہ محبت اور اخلاص کا پیغام رساں ہوتا ہے۔ ہدیہ میں ایسی چیز دیں جو ضرورت کی ہو اور استعمال میں آسکے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"يَا نِسَاءِ الْمسلماتِ! لَا تَحْقِرَنَّ جارةٌ لِجَارتهَا ولَو فِرْسِنَ شَاةٌ ۔" [بخاری، اوائل كتاب الهبه، رقم الحديث: ٢٥٦٦، كتاب الادب، باب لا تحقرن جارة لجارتها، مسلم، كتاب الزكاة، رقم الحديث: ١٠٣٠]

''اے مسلمان عورتو! تم میں سے کوئی کسی کے ہدیے کو کم تر نہ سمجھے اگر چہ وہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو (یعنی حقیر چیز ہو۔)''

بیماری میں ایک دوسری کی مدد:

انسان کے حالات یکساں نہیں رہتے، صحت کی نرمی گرمی انسان کے ساتھ ساتھ ہے، اگر کبھی سوکن بیمار پڑ جائے یا اس کی طبیعت ناساز ہو جائے تو ایسے میں گھریلو کاموں میں اس کا ہاتھ بٹانا اور اس کے بچوں کو سنبھالنا چاہیے۔ اگر زیادہ لاچار کر دینے والی بیماری ہے تو ساتھ ساتھ اپنی سوکن کی دل جوئی بھی کریں اور اس کو تسلی دیں کہ ان شاءاللہ بیماری دور ہو جائے گی اور یہ آپ کے لیے گناہوں کا کفارہ اور اجر کا باعث بنے گی۔

سوکن کے رشتہ داروں سے حسن سلوک:

ایک دوسری کے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنا بھی باہمی روابط میں مضبوطی اور محبت بڑھانے کا باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک دوسری کے رشتہ داروں کے خوشی یا غم کے موقعوں پر شریک ہونا اور ان کو بھی تحائف لینا دینا اسلامی محبت کا تقاضا ہے۔

بچوں کی پرورش میں تعاون:

سوکنوں کے بچے درحقیقت ایک ہی والد کے بچے ہوتے ہیں۔ اس لیے دیکھا جائے تو دونوں ہی پر ان کے حفظ اخلاق، تربیت اور آداب سکھانے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ ذمہ دار ہیں۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"وَالْـمَرأة راعيةٌ علٰى اَهْلِ بيتِ زَوجِها ووَلَدِهَا ۔"

[بخاری، كتاب الجمعة، ح:٨٩٣، مسلم، كتاب الامارة، ح:١٨٢٩]

''اور عورت اپنے شوہر کے گھر والوں کی اور اس کے بچوں کی نگران ہے۔''

لہٰذا اس حکم میں ساری بیویاں شامل ہیں۔ [جاری ہے]



دینی مدارس کی طالبات کے لیے خوشخبری

دورۂ صرف ونحو اور گرائمر کی عملی مشق

جامعہ مرأۃ القرآن والحدیث للبنات منڈی واربرٹن کے زیر اہتمام دینی مدارس کی طالبات کے لیے دورہ صرف ونحو کا اہتمام کیا گیا ہے۔ یہ خواتین کے مدارس میں اپنی نوعیت کا پہلا اور منفرد دورہ ہے جو یقینی طور پر طالبات میں قرآن وحدیث کے متن کو سمجھنے اور عربی عبارت کو روانی کے ساتھ پڑھنے میں نہایت معاون ثابت ہوگا۔ دورہ ۲۵ شعبان سے ۲۵ رمضان المبارک تک ہوگا۔ وفاق المدارس (عالیہ سے عالمیہ تک) کی طالبات دورے میں شرکت کر سکتی ہیں۔ دورہ مکمل کرنے والی طالبات کو اسناد اور پوزیشن لینے والوں کو انعامات دیے جائیں گے۔ خور ونوش اور رہائش کا معقول انتظام ہوگا (ان شاءاللہ) موسم کے مطابق بستر اور اپنی نوٹ بکس ہمراہ لائیں۔ (نوٹ) داخلہ ۲۰ شعبان تک ہوگا۔

قندِ مکرر

اسلام کی مظلومیت

مولانا قاضی عبدالرحیم صاحب

سوائے چند مخصوص اور محدود زمانوں کے اسلام ہمیشہ سے مظلوم چلا آیا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وما اکثر الناس ولو حرصت بمؤمنین ﴾

''تم کتنا ہی چاہو لوگوں کی اکثریت اسے نہیں ماننے کی۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ وقلیل من عبادی الشکور ﴾

''میرے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں۔''

جب اکثریت مخالف ہو تو نتیجہ مظلومیت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن مخالفین کا ظلم کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اگر وہ ظلم نہ کریں تو مخالفت ہی کیوں ہوں؟ مگر یہ ظلم دو چند ہو جاتا ہے جب اس کا صدور اپنے ہی نام لیواؤں اور حلقہ بگوشوں کی طرف سے ہو۔ اور اس سے بھی کئی گنا بڑھ جاتا ہے جب یہ ظلم دانستہ اور قصداً عمل میں آئے۔ اور پھر اسلام کی مظلومیت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے جب کہ یہ ظلم کفر اور اس کے مختلف شعبوں کی حمایت اور اعانت میں ہو۔ یکے نقصان مایہ دیگر شماتت ہمسایہ اور جب اسلام پر یہ ظلم اسلام ہی کے نام سے کیا جائے۔ اور کفر شرک اور ان کے اجزاء ہی کو اسلام کا نام اور رنگ دے کر اسلام میں داخل کر لیا جائے تو آپ ہی اندازہ کریں کہ شدت کے لحاظ سے اس ظلم کی نوعیت اور کیفیت کس درجہ کی ہوگی؟ اسلام کے ساتھ مسلم اکثریت کی طرف سے اس وقت بالکل ایسا ہی سلوک ہو رہا ہے۔ اگر آپ اپنے ماحول اور حالات حاضرہ پر غور فرمائیں گے تو اسلام پر مظالم کے یہ تمام مدارج ایک ایک کر کے آپ کے سامنے آ جائیں گے۔

اسلام پر مسلمانوں کا یہ ظلم اسلام کی کسی ایک شاخ ہی سے مخصوص نہیں بلکہ اسلام کا پتہ پتہ اس ظلم سے زخمی ہے۔ اعتقادات، عبادات، اخلاق، معاملات، معاشرت، اقتصادیات، سیاسیات وغیرہ جس طرف بھی نظر اٹھائیں گے۔ مسلمانوں کے عمل میں آپ کو اسلامی احکام متروک اور اس کے منہیات مقبول نظر آئیں گے۔ ہر شعبہ میں غیر اسلامی مراسم پسندیدہ اور اسلامی رنگ میں رنگین دکھائی دیں گے اور اسلامی محاسن اور نیکیاں بری محسوس ہوں گی۔

یہاں تک کہ آپ مسلمانوں ہی کی تقریر اور تحریر میں یہ الفاظ سنیں اور پڑھیں گے کہ قرآنِ کریم چودہ سو سال کی پرانی کتاب ہے۔ اور اسلام چودہ صدی پہلے کے تاریک زمانہ کا مذہب ہے۔ اُس زمانہ میں بے شک یہ کارآمد تھے۔ لیکن آج تہذیب، روشنی اور ترقی کے زمانہ میں یہ کام نہیں دے سکتے۔ اُن کے خیال میں اس وقت یا تو یورپی تمدن وتہذیب کام آ سکتی ہے یا روسی کمیونزم۔ اس لیے آج کی اسلامی دنیا آنکھیں بند کر کے یورپ کے پیچھے دوڑ رہی ہے، یا روس کے پیچھے۔ لیکن قرآن اور اسلام کی طرف ان کو قطعاً توجہ نہیں۔ کوئی یورپی جمہوریت پر اسلامی شکر چڑھا کر مسلمانوں کو نگلوانا چاہتا ہے اور کوئی کمیونزم کو اسلامی لباس پہنا کر عین اسلام دکھانے میں مصروف ہے۔

ہماری حکومت کے انتظامی ادارے اور ارکان، صدر سے لے کر ایک ادنی چپڑاسی تک۔ تعلیم کے ادارے وزیر تعلیم سے لے کر معمولی مدرس تک۔ عوامی ادارے صدروں سے لے کر دو آنہ کے ممبروں تک۔ اشاعتی ادارے اخبارات کے مالکوں سے لے کر ان کے ہاکروں تک سب پر ان دونوں ہی کا افسوں چل رہا ہے۔ جہاں دیکھو ان کی ہی خوبیاں۔ ان کا ہی ذکر اذکار، ان کے متعلق ہی غور وفکر اور بحث مباحثہ جاری ہے نہ حکومت کے اداروں میں اسلام کے حقوق کا کوئی سچا محافظ موجود ہے نہ عدل وانصاف کے محکمہ میں کوئی شخص اس ظلم وتعدی کا

سماعت کا ذمہ دار ہے۔ نہ کسی کالج کے پرنسپل، پروفیسر، مدرس کو اسلامی تعلیمات اور احکام سے سروکار ہے نہ ہمارے مسلم محققین کو جو آرٹ، سائنس، ادب جدید، ادب قدیم وغیرہ پر جان ومال قربان کر رہے ہیں اسلام یا اس کے کسی حکم کی تحقیق وتفتیش کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ نہ ہمارے مضمون نگاروں کو اسلام اور اس کے احکام کے متعلق کوئی امر قابل نگارش وذکر معلوم ہوتا ہے۔

پھر اسلام کی مظلومیت کا احساس ہو تو کس کو اور پیدا ہو تو کیسے؟ جب کہ اسلام سے ان کا عملی تعلق ہی نہیں، باقی رہے ہمارے علمائے کرام تو ان کو اسلام کی مظلومیت کا احساس ہونے نہ ہونے کے برابر ہے۔ نہ ان کا اثر ہے۔ نہ شنوائی کے احساس کا، قیادت نے دنیا بھر میں اگر کوئی بہت بڑی قومی خدمت انجام دی ہے۔ تو وہ یہی ہے کہ مسلمانوں پر سے مولویوں کا اثر زائل کر دیا ہے۔ ہر اسلامی ملک کا یہی حال ہے اور اگر کوئی مولوی قرآن واسلام کی صحیح دعوت کی جرأت کرے تو اس کے لیے آرڈی نینس اور سیفٹی ایکٹ وغیرہ موجود ہیں اور اسلام کے ساتھ ہی اسے بھی مظالم کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

ان مظالم میں بحیثیت عہدہ وذمہ داری وزرائے اعظم کا سب سے زیادہ حصہ ہے اور عوام مسلمین کا دوسرے درجہ پر جنہوں نے اپنے ووٹوں اور انتخاب سے ان بزرگوں کو اسلام اور مسلمانوں کے امور کا مختار کار بنایا چوں کہ عوام کو ان اکابر سے خدمت اسلام کا حسن ظن تھا اس لیے ان کا نمبر دوسرے درجہ پر ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام پر مسلمانوں کے ان مظالم کی وجہ کیا ہے؟ کیا واقعی اسلام میں ایسے عیوب اور نقائص پائے جاتے ہیں جو مسلمانوں کو اس کے ترک اور اس کے ساتھ اس برتاؤ پر آمادہ یا مجبور کرتے ہیں؟ اس کا جواب صرف نفی میں ہے۔ مسلمانوں یا مخالفوں کے اسلام سے انحراف اور اسلام پر ظلم کا سبب صرف ایک ہی ہے جسے قرآن کریم نے بار بار ذکر فرمایا:

﴿ ان یتبعون الا الظن وما تھوی الانفس ﴾

یہ لوگ صرف اوہام اور خواہشات نفسانی کے پیچھے دوڑتے ہیں۔

نفی کے بعد استثنا حصر کا فائدہ دیتا ہے یعنی اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں۔ قرآن اور اسلام وہم پرستی اور خواہش پرستی سے روکتا ہے اور لوگ اسے گوارا نہیں کرتے۔ سود، زنا، شراب، رشوت وغیرہ محرمات کو ہوائے نفس کے ماتحت شیر مادر کی طرح حلال سمجھتے ہیں۔ اور بلا کھٹکے ان کو استعمال کرتے اور کراتے ہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ اور قرآنِ کریم کا پاس ہے نہ رسول اللہ ﷺ اور دین اسلام کا لحاظ اور نہ ان برائیوں کے ارتکاب سے کوئی شرم محسوس کرتے ہیں اور محسوس کیسے کریں جب کہ وہ ان کو برائی ہی نہیں سمجھتے اور الٹا طعن وتشنیع اسلام اور اس کے مبلغین علماء پر۔ انا للہ

اس خواہش پرستی کے اسلام پر مسلمانوں سے ظلم کرانے کی دوسری صورت یہ ہے کہ اسلام ہر امر میں اعتدال کا حکم دیتا ہے لیکن خواہش پرست اور اوہام پرور مسلمان اس اعتدال کو پسند نہیں کرتا اور نہ اُسے اختیار کرتا ہے بلکہ اتباع ہویٰ میں افراط اور تفریط میں گر جاتا ہے۔ اسلام اور قرآنِ کریم افراط وتفریط دونوں کی تردید اور مذمت بیان کرتے ہیں۔ اور اعتدال کی توثیق اور اس کی پابندی کی تلقین فرماتے ہیں۔ جب انسان افراط یا تفریط میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اپنی خواہش کے مطابق قرآنی احکام اور اسلامی دلائل کو تو قبول اور دوسروں کے پیش کرتا ہے۔ لیکن اپنے مخالف احکام اور دلائل کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ افراط کے متعلق ہوں یا تفریط کے متعلق یعنی وہ قرآن اور اسلام کو اپنی خواہشات کے سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے نہ کہ اپنی خواہشات کو اسلام کے سانچے میں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا زیادہ تر حصہ یا تو افراط میں چلا جاتا ہے یا تفریط میں اور مسلمان ان دو بہت بڑے گروہوں میں بٹ جاتے ہیں۔ لیکن خواہش پرستی میں دونوں برابر ہیں۔ البتہ دونوں کی خواہشیں ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔

چوں کہ بظاہر دونوں فریق مسلمان کہلاتے ہیں اس لیے دونوں اپنی اپنی خواہش کے مطابق افراط اور تفریط کی تردید اور مذمت کے لیے اسلامی مسائل سے تمسک کرتے اور ان اسلامی دلیلوں کو مخالف فریق کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور اپنے نقطہ نظر کے خلاف دلائل کی تردید۔ تکذیب اور تاویل شروع کر دیتے ہیں اور چوں کہ دونوں فریق

خواہش پرست بدنیت اور اسلام کی اطاعت سے منحرف ہوتے ہیں اس لیے ان میں سے کوئی فریق بھی اسلامی نقطہ نظر معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ قصداً اس سے اعراض کرتا ہے تا کہ کہیں عمل کی بلا گلے نہ پڑ جائے۔ اس اختلاف سے بتدریج نزاع اور مخاصمت بڑھتی ہے۔ اور دونوں طرف سے تردید کی صورت میں اسلامی دلائل پیش ہوتے ہیں۔ اس مقام سے دونوں گروہوں کی طرف سے اسلامی دلائل کی تردید اور اسلام پر براہِ راست حملوں اور بدگمانیوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ اسلام کا مقصد طریق کار اور راہنمائی اس اندھا پن میں نظر بصیرت سے اوجھل ہوجاتی ہے۔ لیکن اپنے مطلب کی دلیلیں اور احکام حرص وہویٰ کی نظروں میں پسند اور صحیح قرار پاتے ہیں۔ فریق مخالف کے دلائل واحکام سب کے سب باطل ٹھہرتے ہیں اور بحکم زین لھم الشیطان اعمالھم ''شیطان ان کی نظروں میں ان کے کاموں کو خوب صورت بنا دیتا ہے۔) ہر فریق اپنے نظریہ باطل پر مطمئن اور خوش رہتا ہے۔

اسی صورت حال کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿ فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین وانزل معھم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ وما اختلف فیہ الا الذین اوتوہ من بعد ما جاء تھم البینٰت بغیا بینھم فھدی اللہ الذین آمنوا لما اختلفوا فیہ من الحق باذنہ ﴾

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو خوش خبری اور عذاب الٰہی سے ڈرانے کے لیے بھیجا۔ اور ان کے ساتھ حق پر شامل کتاب بھیجی۔ تا کہ لوگوں کے درمیان اختلافی مسائل ہیں وہ فیصلہ کرے جن لوگوں کو یہ کتاب ملی تھی انہوں نے ہی اس میں واضح اور صاف احکام ودلائل پا لینے کے بعد۔ اپنی باہمی سرکشی کے باعث اس میں جھگڑا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ماننے والوں کو ان اختلافات میں سے اپنی مہربانی سے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔ اس آیہ کریمہ میں الفاظ بغیا بینھم قابل توجہ اور غور ہیں۔ باہمی بغاوت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایک گروہ افراط میں۔ دوسرا تفریط میں گر جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کو ماننے والے تھوڑے سے آدمی راہ راست پر قائم رہتے ہیں۔

اس کی مثال موجودہ دور میں آپ اقتصادی مسائل میں دیکھ سکتے ہیں۔ مسلمانوں کا ایک گروہ سرمایہ داری کا حامی ہے اور اشتراکیت کا مخالف اس کے مقابلہ میں دوسرا گروہ اشتراکیت کی حمایت کا علم اٹھائے سرمایہ داری کا سر کچلنے کو تیار کھڑا ہے۔ لیکن قرآنِ کریم اور اسلام نے سرمایہ داری اور اشتراکیت کے جو اصول اور حدود معین فرمائے ہیں ان کو نہ کوئی دیکھتا ہے اور نہ پسند کرتا ہے۔ مسلمانوں کا اکثر حصہ سرمایہ داری اور اشتراکیت کی افراط وتفریط کی وادیوں میں سرگرداں اور پریشان پھر رہا ہے۔ مگر اسلام اعتدال سب کی نظروں سے اوجھل ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ دونوں فریق اپنی اپنی طرف سے دوسرے کے خلاف اسلامی دلائل واحکام پیش کرتے ہیں اور دونوں کا حملہ وتردید اور علامت وتعریض مذہب پر ہے یا حاملین مذہب یعنی علماء اور مولویوں پر۔ حالاں کہ دونوں فریق خود شریعت کے چور اور اسلامی احکام کی اطاعت سے منحرف ہیں۔ ورنہ بحیثیت مسلمان کے خود ان کا اپنا فرض ہے کہ وہ اسلام کے مقصد اور اعتدال کی جستجو کریں اور اپنا باہمی اختلاف کو نظر انداز کرکے تلاش کریں۔



اعتزار

الاعتصام کے شمارہ: ۳۰، جلد: ۶۱، میں احتیاط کے باوجود کچھ غلطیاں رہ گئیں ہیں۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ اس کی اصلاح فرمالیں۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	آخری	ضلال القرآن	فی ظلال القرآن
۲۰	۲	کتاب	کتا
۲۲	۱۵	علم جعفر	علم جفر
۲۳	۴	سمریز	سیمریزم

جن اصحاب نے اس طرف توجہ دلائی ہے ادارہ ان کا شکر گزار ہے۔ [ادارہ]

تذکرۃ الاخیار

مناظر اسلام مولانا عبدالعزیز چورہٹوی ڈیروی

ازعبدالرحیم اظہرڈیروی

یہ بستی چورہٹہ جہاں ہندو آبادی خاصی تعداد میں تھی اور پرانا شہر ڈیرہ غازی خان سے بجانب مغرب تاریخی نہر مانکہ کے کنارے پر واقع تھی اور ہے۔اب پرانا شہر ڈیرہ غازی خان کے مقام پر دریائے سندھ بہہ رہا ہے۔یہ شہر دریا برد ہو گیا تھا۔

پھر حکومت برطانیہ نے ۱۹۱۰ء میں نیا شہر موجودہ مقام پر بنایا اور لوگ یہاں آ کر آباد ہوئے اور یہ بستی اب شہر کا حصہ بن گئی ہے۔اور یہ بلاک چورہٹہ کے نام سے معروف ہے۔اسی مقام پر مولانا عبدالعزیز چورہٹوی پیدا ہوئے۔آپ کے والد کا نام مولانا حکیم غلام رسول تھا جو اپنے زمانہ کے ممتاز عالم اور حکیم تھے۔انہوں نے طب کو اپنی روزی کا ذریعہ بنایا۔ یہ شہر کا وہ مقام ہے جہاں سے مسلک اہل حدیث کی اشاعت وتبلیغ کا آغاز ہوا۔

مولانا حکیم غلام رسول،عبدالحکیم وثیقہ نویس اور مولوی عبدالرحیم یہ تینوں مولانا حافظ گل محمد کے بیٹے تھے۔ان میں دو بھائی میاں عبدالحکیم اور میاں عبدالرحیم قصبہ یاروکھوسہ میں آباد ہوئے اور حکیم غلام رسول بلاک چورہٹہ میں آباد ہوئے،جو سب بھائیوں سے بڑے تھے۔پھر حکیم غلام رسول کے دو بیٹے ہوئے۔بڑے کا نام عبدالعزیز چھوٹے کا نام حکیم عبدالمجید تھا،جو راقم کے نانا تھے۔مولانا عبدالعزیز کو اُن کے والد سے مقامی علماء سے تعلیم دلوا کر ڈیرہ سے باہر ملتان اور دہلی کے مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے روانہ کیا۔ چناں چہ مولانا چورہٹوی نے مولانا عبدالحق محدث ملتانی،مولانا سلطان محمود رحمہ اللہ آف ڈیرہ اسماعیل خاں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولانا عبدالوہاب دہلوی رحمہ اللہ امام وبانی جماعت غرباءاہل حدیث سے تفسیر وحدیث اور مختلف اصول وفنون کی کتب کی تعلیم حاصل کی۔ علاوہ ازیں انہوں نے مولانا احمد حسن دیوبندی کانپوری سے معقولات،منطق،فلسفہ اور فلکیات جیسے علوم کا استفادہ کیا۔مولانا احمد اللہ اور مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی رحمہم اللہ اُن کے ہم درس تھے۔بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں تحریک اہل حدیث کو عوامی تحریک بنانے کی کوشش شروع ہوئی اور دہلی میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے نام سے ایک ملک گیر تنظیمی وتبلیغی ادارہ قائم کیا گیا جس نے مکتبوں اور درس گاہوں کے قیام،مبلغین کے وعظ وارشاد اور جلسوں کے انعقاد کے ذریعے پورے ملک میں تحریک ومسلک اہل حدیث کو عام کر دیا جب کہ اُس وقت موجودہ جمعیت کا وجود نہ تھا۔

مولانا چورہٹوی ڈیروی نے فراغت حصولِ تعلیم کے بعد ادارہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس دہلی سے منسلک ہو کر تبلیغ واشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ وہ برصغیر پاک وہند میں بطور مبلغ ومناظر ملک بھر کے مختلف علاقوں مثلاً: دہلی،امرتسر،حیدرآباد دکن،یوپی،کلکتہ،سہارن پور، انبالہ،کانپور،صوبہ بہار،صوبہ سندھ وغیرہ میں تقریباً عرصہ پچیس سال تنظیمی دورے کیے۔

مولانا عبدالرشید صدیقی ملتانی مرحوم نے راقم کے والد محترم مولانا عبدالکریم ڈیروی سابق مدرس الجامعۃ السلفیہ فیصل آباد وشیخ الحدیث دارالحدیث محمدیہ ملتان،جو مولانا چورہٹوی کے بڑے نواسے تھے کو بتایا تھا کہ آپ کے نانا جی اپنے وقت کے حکیم کے علاوہ عظیم مبلغ،مناظر اور محقق عالم دین تھے۔اُن کو کتاب بینی کا بے حد شوق تھا۔اختلافی کتاب ان کو بڑی پسند ہوتی اور وہ حاضر جواب تھے۔مولانا چورہٹوی نے اپنی وفات سے چند سال پہلے دور دراز کے علاقوں کے اسفار کو نہایت ہی کم کر دیا تھا اور مقامی طور پر تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنے وقت کے بہترین مدرس بھی تھے۔اس سلسلہ میں مولانا ابوحفص عثمانی داجلی سابق

ناظم الجامعۃ السلفیہ فیصل آباد بیان کرتے تھے کہ میں نے مولانا چورہٹوی سے ترجمہ قرآن وتفسیر صرف ونحو اور حدیث کی ابتدائی کتب پڑھیں اُن کے سمجھانے کا انداز نہایت سہل تھا۔عثمانی مرحوم نے یہ بھی بتایا تھا کہ میں اہل حدیث بھی ان کی تبلیغ ووعظ سے ہوا۔ان کا وعظ نہایت ہی پرتاثیر ہوتا۔ اُن کے شاگردوں میں مولانا عثمانی کے علاوہ مولانا الٰہی بخش وڈوری (جو فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالکریم ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے علاقہ کے بزرگ عالم دین ہوگزرے ہیں) مولانا محمد اسماعیل آف جھنگ، حکیم عبدالجبار چوٹوی، حاجی محمد ابراہیم بن الشیخ عبدالکریم بن الشیخ محمد حسام الدین بن الشیخ عبداللہ بلاک نمبر۱۵، ملک حاجی محمد موسیٰ کھکھل (جو قاری عبدالرحیم کلیم کے داداجی تھے) حکیم نور احمد بھٹہ، میاں عبدالقادر بھٹہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مولانا چورہٹوی مبلغ ومناظر عالم دین تھے۔انہوں نے مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ، مولانا ابراہیم سیالکوٹی وغیرہم کے ساتھ رہ کر بڑے معرکہ آرا مناظروں میں شرکت کی۔ بدیں وجہ اس فن میں بہت منجھے ہوئے تھے۔ جب آپ ملتان جاتے تو مولانا عبدالتواب محدث ملتانی کے ہاں ٹھہرتے اور اُن کے کتب خانے سے استفادہ کرتے اور کسی مشکل مسئلہ پر آپس میں بحث وتفہیم سے مسئلہ کا حل نکال لیتے۔

مولانا چورہٹوی ایک بہادر اور نڈر عالم دین تھے۔ چناں چہ حاجی مانجھی کھلول (مندرانی) مرحوم، والد محترم کو بتایا کرتے کہ پیر قتال جوڈیرہ غازی خان کا ایک اہم علاقہ ہے یہاں پر میلہ لگا ہوا تھا بے شمار لوگ شریک تھے، ہم بھی میلہ میں گئے ہوئے تھے اور میلہ کی گہما گہمی میں مست تھے کہ اچانک ایک عجیب منظر جو دل کو تڑپا دینے والا تھا دیکھا کہ لوگ ایک درویش عالم دین مولانا چورہٹوی کو پتھر مار رہے ہیں۔اور وہ اپنی تبلیغ مسلسل جاری رکھے ہوئے ہیں۔اور لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ لوگو! اللہ تعالیٰ کے دین پر آجاؤ، بے حیائی اور غنڈہ گردی چھوڑ دو، بزرگوں کی قبروں پر جاؤ، مگر شرک کے کاموں سے اجتناب کرو۔ اس کائنات کا پیدا کرنے والا ہر قسم کی ضرورت مہیا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اُس نے انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ وہ پوری دنیا کی زبانیں جانتا ہے، ہر ایک کے دل کے راز سے واقف ہے۔ اسی کو پکارو، اس کی جناب میں ہاتھ پھیلاؤ لیکن اس کی عاجز، بے جان اور لاچار مخلوق کے درباروں میں جا کر اُن سے مدد طلب نہ کرو یہ جائز نہیں وغیرہ۔ حاجی مانجھی نے جب یہ منظر دیکھا تو تڑپ اٹھے اور انہیں طائف والوں کا طرزِ عمل یاد آ گیا اور بے قرار ہو کر آگے بڑھے اور مولانا چورہٹوی کو اپنے بازوؤں میں لے لیا اور ظالموں کے پتھراؤ سے بچا لیا۔ یہ منظر ایسا رنگ لایا کہ حاجی مانجھی ہمہ تن دین ودعوت کے کام میں لگ گئے اور یہ حاجی صاحب موضع چورہٹہ کے علاقے کے پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسلک عمل بالحدیث قبول کیا۔

دربار پیر عادل جوڈیرہ غازی خان شہر سے شمال کی جانب تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ وہاں سالانہ میلہ لگتا تھا اور اب بھی وہاں مختلف قسم کے مشاغل اور محافل ہوتی ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں مجمع ہوتا ہے۔ایک مرتبہ وہاں ایک رقاصہ (ناچنے والی) محو رقص تھی جب مولانا عبدالعزیز چورہٹوی کو اسکا پتا چلا تو آپ رحمہ اللہ نہایت بے چین ہوگئے اور اُسی وقت اس منکر وفحاشی کے خلاف زبان سے جہاد کا فیصلہ کرلیا جب مولانا چورہٹوی وہاں پہنچے تو محفل رقص وسرود عروج پر تھی۔ آپ ایک طرف سے نمودار ہوئے اور انتہائی خوش الحانی سے قرآن شریف کی تلاوت شروع کردی اب وہ مجمع خود بخود ختم ہوگیا اور رقاصہ ساکت وجامد ہوکر رہ گئی۔

مولانا چورہٹوی مناظر بھی تھے۔ شیعہ، بریلوی اور دیوبندی مسلک کے علماء کے ساتھ بعض اہم مسائل پر اُن کے علمی مباحثے بھی معروف ہیں۔ چناں چہ ایک مناظرہ ہندوؤں کے ساتھ ہوا۔ مولانا چورہٹوی کو ہندی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ ڈیرہ کے چوک چورہٹہ کے رہائشی ہندوؤں سے ’’گائے کا ذبح کرنا اور اُس کے گوشت کا خوردنی ہونا‘‘ موضوع مباحثہ تھا۔ مولانا چورہٹوی نے ہندوؤں کی کتب سے گائے ذبح ہونے اور اُس کے گوشت کے خوردنی ہونے کو فطرتِ انسانی ثابت کیا اور واضح کیا کہ برصغیر میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندو بھی گائے کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ اور مہابھارت سے ثابت کیا کہ گائے کا گوشت مہمانوں کی خاطر تواضع کے طور پر ویدوں کے دور میں استعمال ہوتا رہا۔ مولانا چورہٹوی کا مدمقابل ہندو اُن کے دلائل کا ردّ نہ کرسکا۔

مساجد اہل حدیث:

جامع مسجد عزیزیہ اہل حدیث کو ڈیرہ غازی خان کی اوّل مسجد ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔اُس کے بعد ۱۹۱۵ء میں شیخ محمد حسام الدین بن الشیخ عبداللہ بن الشیخ الٰہی بخش ملتانی ثم الدیروی رحمہ اللہ نے بلاک نمبر ۱۵ میں ایک پلاٹ خرید کر مسجد تعمیر کرائی۔جس میں الحاج شیخ محمد حسام الدین مرحوم خود امامت وخطابت فرماتے کیوں کہ یہ اپنے سات بھائیوں میں سے واحد تھے جو دینی معلومات اور کافی مطالعہ رکھتے تھے۔ مولانا چورہٹوی بھی خطبہ جمعۃ المبارک کبھی کبھی دیتے کیوں کہ وہ اکثر دور دراز کے علاقوں کے دورے پر ہوتے۔کچھ عرصہ بعد مولانا چورہٹوی کے شاگرد مولانا الٰہی بخش وڈوری رحمہ اللہ خطابت وامامت کے لیے مقرر ہوئے بعد ازاں مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی رحمہ اللہ آئے۔ اِسی طرح دوسرے علمائے کرام مولانا مشتاق احمد ڈیروی رحمہ اللہ جو مولانا چورہٹوی کے سگے بھتیجے تھے۔مولانا الٰہی بخش شجاع آبادی، مولانا محمد اسحاق صاحب اور مولانا ابوحفص عثمانی داجلی سابق ناظم الجامعۃ السّلفیہ فیصل آباد اور اب مولانا حافظ محمد یعقوب جو مولانا عبدالکریم ڈیروی، مولانا مشتاق احمد ڈیروی اور استاذ العلماء سلطان محمود محدث جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ہیں۔خطابت وامامت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں اور اب ڈیرہ غازی خان میں مساجد اہل حدیث کافی تعداد میں ہیں۔اور افرادی لحاظ سے بھی کافی ترقی ہوئی ہے۔یہ محترم ڈاکٹر وحافظ عبدالکریم ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کی کاوش ومحنت کا نتیجہ ہے۔جو نہایت ہی قابل تحسین ہے۔

تالیف:

مولانا چورہٹوی مؤلف بھی تھے۔چناں چہ انہوں نے مختلف کتب تالیف کی ہیں۔جن میں السراج الوہاج فی اصلاح فصل الخطاب جو قاضی عبیداللہ حنفی ڈیروی کے رسالہ بنام فصل الخطاب کا معقول اور مدلل جواب ہے۔اس کتابچہ کی فوٹو کاپی آج بھی محترم انجینئر عبدالقدوس السّلفی اسلام آباد جو مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ کے داماد ہیں اور مولانا چورہٹوی رحمہ اللہ کے پوتے ہیں، کے پاس موجود ہے۔

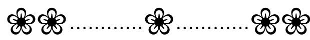
قاضی عبیداللہ حنفی ڈیروی نے جب رسالہ فصل الخطاب لکھا اور مولانا چورہٹوی کے پاس ۲۰ شعبان ۱۳۴۹ھ کو پہنچا تو انہوں نے نہایت ہی قلیل عرصہ میں اس کا جواب سراج الوہاج کے نام پر دیا۔جس میں روایت **اتبعوا السواد الاعظم**،مسئلہ اجتہاد،مسئلہ تقلید سے متعلق مفصل بحث ہے۔

دوسری تالیف آپ کی العتاب فی ردّ العقاب اسی طرح انہوں نے خلافت راشدہ، مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر بھی کتابچے تحریر کیے۔

مولانا چورہٹوی کے کتب خانہ کے متعلق راقم کے والد اور دادا میاں عبدالقادر بھٹہ نے بتایا تھا کہ اُن کا بڑا کتب خانہ تھا جو نادر کتب پر مشتمل تھا۔ دور دراز کے علمائے کرام استفادہ کرنے کے لیے تشریف لاتے۔

مولانا چورہٹوی نے ۱۹۳۲ء میں تقریباً ۵۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔انا للہ وانا الیہ راجعون

خدا رحمت کند ایں بندہ پاک باز را



دارالحدیث اوکاڑا کا اعزا

۵ جولائی ۲۰۰۹ء کو مدرسہ تحفیظ القرآن والحدیث کسووال میں ایک علمی مقابلے کا انعقاد ہوا۔

اس علمی مقابلے میں دارالحدیث اوکاڑا کے آٹھ طلباء شریک ہوئے۔نتائج کے مطابق دارالحدیث کے تین طلباء نے اوّل، سوم اور چھٹی پوزیشن حاصل کیں۔

اوّل حافظ شاہد محمود کو مبلغ نو ہزار روپے نقد انعام ملا۔ جب کہ سوم آنے والے طالب علم حافظ عبدالرحمٰن کو مبلغ پانچ ہزار روپے اور چھٹی پوزیشن حافظ عبدالجبار نے حاصل کی اور قیمتی کتب کا انعام حاصل کیا۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ جامعہ کو مزید ہونہار طالب علم عطا فرمائے۔

[ناظم دارالحدیث ساہیوال روڈ۔اوکاڑا]

این چہ بو العجبیست

مبتذل چیزیں بھی اب ہونے لگی ہیں مستطاب
کیا اسی کا نام ہے قومی لغت میں انقلاب؟
ہر فقیر کج کلہ کس دور میں پیدا ہوئے
جو خزف ریزے تھے ، کہلانے لگے عزت مآب
رہنما گر کردہ رہ ہیں ، راہرو لغزیدہ پا
کشتگانِ خنجر مہر و وفا زیرِ عتاب
شیر زادوں کو شغالوں کا لقب ملنے لگا
بوزنوں کی نسل کہلانے لگی عالی جناب
خانقاہوں میں عبوساً قمطریراً رہ گئے
مٹ گئے محراب و منبر بک گئی ام الکتاب
رک نہیں سکتا کسی حالت میں سیلابِ عوام
آ گیا نزدیک سے نزدیک تر یومِ حساب
اہل دانش ، اہل بینش ، اہل دل ، اہل قلم
ہر زمانہ ان کا دشمن ، ہر روش ان پر عذاب
کاسہ لیسانِ وطن داد سخن پاتے رہے
سر فروشانِ وطن ہوتے رہے ناکامیاب
وہ دغا پیشہ غزالہ ، میں وغا پیشہ ادیب
میرا مسلک تیغ و خنجر اس کی خو چنگ و رباب
گالیاں دینا خطیب لالہ رخ کی انتہا
اس پری چہرہ کا اس فن میں نہیں کوئی جواب
یہ مرا ذوقِ نگارش یہ مرا طرزِ بدیع
بوالکلام آزاد کے طرزِ سخن سے فیض یاب
عمر بھر پیدا کیے ہیں خاک سے لعل و گہر
دس برس تک قید خانے میں کھلائے ہیں گلاب

خسروانِ عہد حاضر کے مصاحب خوش رہیں
میں ہوں شورش درگہِ میر امم ﷺ میں باریاب

[شورش کاشمیری]